اگست ۱۹۷۰

ماہنامہ

حیاتِ نو

پہلا سوال

اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم کو مسلمان رہنے یا نہ رہنے کا آخری فیصلہ کرنا ہے۔ اگر ہم مسلمان رہنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے ماحول کو اور پھر دنیا کو دارالاسلام بنانے کا عزم لیکر اٹھنا چاہئے اور اگر ہم اتنی جرأت و ہمت نہیں رکھتے تو دارالاسلام سے ہمیشہ کیلئے ہاتھ دھونے پر تیار ہو جانا چاہئے۔ یہ سوال کہ اسلامی انقلاب لانا ممکن بھی ہے یا نہیں بعد کا سوال ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ تم میں مسلمان بن کر رہنے کا عزم و ارادہ بھی موجود ہے یا نہیں۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

ANJUMAN TALBA-E-QADEEM

انجمن طلبۂ قدیم

جامعۃ الفلاح بلریاگنج - اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

BILARIAGANJ - AZAMGARH (U.P.) INDIA

اقامتِ دین

اقامت دین کی اس جدوجہد کے انجام کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہوگا۔ انجام کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔ اگر اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم ایک صالح نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ اللہ کا انعام ہوگا۔ بعض لوگ طنز سے یہ کہتے ہیں کہ ہماری ساری جدوجہد حکومت کے لئے ہے اور خدا کی رضا کی طلب جو خلاصہ دین ہے ہمارے سامنے نہیں ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ہماری ساری جدوجہد اللہ کے دین کے قیام، ایک صالح اور خدائی نظام کی اقامت کے لئے ہے اور یہ جدوجہد کو ہم نہیں جیتی پر بھی ختم کرنے کی ضرورت ہو اور ہم جب کبھی اقامت دین کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہی نظام ہوتا ہے اور یہی نہیں سمجھ کر اس کے مطلوب و محبوب ہونے میں کوئی شبہ ہے جنت کی رضا کی ہے اور خو یہ خدا کی رضا طلبی سے الگ چیز کیوں ہے۔ خدا کی رضا اس سے بڑھ کر کس بات میں ہو سکتی ہے کہ اس کی سر زمین پر اس کے احکام چلیں اور ان لوگوں سے بڑھ کر رضائے الٰہی کا طالب کون ہو سکتا ہے جو اس بات کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو خدا کی سرزمین پر غیر اللہ کے اقتدار کا کوئی دھبہ نہ رہنے دیں گے۔ اگر یہ جدوجہد دنیاداری کے لئے ہے تو کیا دینداری یہ ہے کہ راتوں میں جاگ کر اللہ ہو کی ضربیں لگائی جائیں اور دن میں خدا کی زمین پر شیطان کا تخت بچھانے کی کوشش کی جائے۔ جو لوگ اس طرح کی باتیں کہتے ہیں ان کے ذہنوں میں دین کا نہایت ناقص تصور ہے۔"

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

ماہنامہ

حیات نو

مدیر مسئول نور محمد فلاحی
مدیر تحریر عبیداللہ فہد

اس شمارہ کی قیمت -/۳
سالانہ زر تعاون -/۱۵

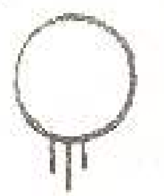

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا ہے، براہ کرام سالانہ زر تعاون مبلغ -/۱۵ جلد از جلد ارسال فرمائیں۔

جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۸
مطابق رمضان ۱۴۰۰ھ
اگست ۱۹۸۰ء

مطبوعہ
نشاط پریس ٹانڈہ

حیات نو کے نقوش

دھڑکنیں
اداریہ ۲

فکر و نظر
علم و عمل — ڈاکٹر بدیع الزماں ۳
خاندان نبوت — پہلا مسلمان خاتون — ملک محمد فیروز فاروقی ۷

وقت کی پکار
علماء حق کی ذمہ داریاں — جلیل الرحمن ندوی ۱۰
موجودہ بگاڑ اور نوجوانوں کا رول — ابرار احمد فائق ۱۲
آئیے پندرہویں صدی ہجری کا استقبال کریں — اشتیاق دانش فلاحی ۱۹
وقت کا اہم تقاضہ — نواب محمد صابر قلی خاں ۲۲

روداد انجمن
انجمن طلبہ قدیم کی دو سالہ رپورٹ — سکریٹری انجمن ۱۵

بخدمت گرامی ...
تو وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے — ڈاکٹر احمد سجاد
(مولانا علی میاں مدظلہ سے چند سوالات)
مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلماء کے نام کھلا خط — اسعد اسرائیلی ۲۵

کشت لالہ و گل
آفتاب اسلام — منصف سید کیہری ۳۵
بشارت مسلمان — ابوالحسن بذلہ ۲۳

دھڑکنیں

اپنے ہی وطن میں اپنے ہی بھائیوں کے قتل عام پر دل قابو میں نہیں رہے۔ جذبات میں تلاطم ہے اور قلم کام کرنے سے عاجز۔ ہم اس بار اس صفحہ کو قارئین کے حوالے کرتے ہیں۔ وہ خود بھی اخلاص و دردمندی کے سوز دروں سے یہ چند سطریں رقم کرلیں ۔

ڈاکٹر بدیع الزماں اطہری
(سینئر ریسرچ اسکالر سید یونیورسٹی ایران)

علم و عمل

قرآن میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"فلما جاءتهم آیاتنا مبصرة قالوا هذا سحر ۔۔۔ واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا"

جب ہماری نشانیاں ان کے سامنے آئیں تو انہوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔ انہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ دل ان کے قائل ہو چکے تھے۔ اب دیکھ لو ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔

(دوسری طرف) ہم نے داؤد و سلیمان ؑ کو علم عطا کیا اور انہوں نے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔

قرآن میں دوسرے مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام کے اعلان کے مطابق کوئی بلائے عام مصر پر نازل ہوتی تھی تو فرعون حضرت موسیٰ سے کہتا تھا اپنے خدا سے دعا کرکے اس بلا کو ٹلوا دو پھر جو کچھ تم کہتے ہو ہم مان لیں گے مگر جب وہ بلا ٹل جاتی تھی تو فرعون اپنی بات سے پھر جاتا تھا (الاعراف آیت ۱۳۴ - الزخرف آیت ۴۹ - ۵۰) بائبل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے (خروج باب ...) اور ویسے بھی یہ بات کسی طرح تصور میں نہ آسکتی تھی کہ پیغمبر کے کہنے پر ایسی ملک گیر بلاؤں کا آنا اور پھر ان کے کہنے پر ان کا دور ہو جانا صرف اللہ رب العزت ہی کے تصرف کا نتیجہ ہو سکتا ہے اسی بنا پر حضرت موسیٰ نے فرعون سے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

لقد علمت ما انزل هؤلاء الا رب السموات والارض۔

تو خوب جان چکا ہے کہ یہ نشانیاں مالک زمین و آسمان کے سوا کسی اور نے نازل نہیں کی ہیں۔ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۲)

یعنی یہی سبب ہے فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں نے جناب موسیٰ و ہارون کا انکار کیا تھا کہ انومن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عابدون ۔ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں کی بات مان لیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے ۔

المومنون آیت ۴۷

یعنی حقیقت کا علم اس بات کا علم کہ درحقیقت ان کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ ہے اللہ کا عطیہ ہے اور اس پر تصرف کرنے کے جو اختیارات بھی ان کو بخشے گئے ہیں انہیں اللہ ہی کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جانا چاہئے اور اس اختیار کے صحیح و غلط استعمال پر انہیں مالک حقیقی کے حضور جواب دہی کرنی ہے ۔ یہ علم اس جہالت کی ضد ہے جس میں فرعون مبتلا تھا اس جہالت نے جو سیرت تعمیر کی تھی اس کا نمونہ ابھی مذکور ہوا اب بتایا جاتا ہے کہ یہ علم کیسی سیرت کا نمونہ تیار کرتا ہے ۔ بادشاہی، دولت، حشمت، طاقت دونوں طرف یکساں ہے ۔ فرعون کو بھی یہ ملی تھی اور داؤد علیہ السلام کو بھی لیکن جہالت اور علم کے فرق نے ان کے درمیان کتنا عظیم الشان فرق پیدا کر دیا" ؎۱

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور (سورہ فاطر آیت ۲۸)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اللہ سے ڈرتے ہیں بلاشبہ وہ صاحب عزت و مغفرت ہے ۔

یعنی جو شخص اللہ کی صفات سے جتنا ناواقف ہوگا وہ اتنا ہی اس سے بے خوف ہوگا ۔ اور اسکے برعکس جس شخص کو اللہ کی قدرت، اس کے علم، اس کی حکمت، اس کی قہاری و جباری اور دوسری صفات کی جتنی معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی وہ اس کی نافرمانی سے خوف کھائے گا پس درحقیقت اس آیت میں علم سے مراد فلسفہ و سائنس اور تاریخ و ریاضی وغیرہ درسی علوم نہیں ہیں بلکہ صفات الٰہی کا علم ہے ۔ قطع نظر اس سے کہ آدمی خواندہ ہو یا ناخواندہ جو شخص خدا سے بے خوف ہے وہ علامۂ دہر بھی ہو تو اس علم کے لحاظ سے جاہل محض ہے ۔ اور جو شخص خدا کی صفات کو جانتا ہے اور اس کی خشیت اپنے دل میں رکھتا ہے وہ ان پڑھ بھی ہو تو ذی علم ہے ۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ اس آیت میں لفظ علماء سے وہ اصطلاحی علماء بھی مراد نہیں ہیں جو قرآن و حدیث اور فقہ و کلام کا علم رکھنے کی بنا پر علمائے دین کہے جاتے ہیں ۔ وہ اس آیت کے مصداق اسی صورت میں ہوں گے جبکہ ان کے اندر خدا ترسی موجود ہو ۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمائی ہے کہ لیس العلم عن کثرۃ الحدیث ولکن العلم عن کثرۃ الخشیۃ علم کثرت حدیث کی بنا پر نہیں ہے بلکہ خوف خدا کی کثرت کے لحاظ سے ہے ۔ اور یہی بات حضرت حسن بصریؒ نے فرمائی ہے کہ العالم من خشی الرحمٰن بالغیب ورغب فیما رغب اللہ فیہ وزھد فیما سخط اللہ فیہ ۔ عالم وہ ہے جو اللہ سے بے دیکھے ڈرے جو کچھ اللہ کو پسند ہے اس کی طرف وہ راغب ہو اور جس چیز سے اللہ ناراض ہو اس سے وہ کوئی دلچسپی نہ رکھے ۔ ؎۲

قال یا ایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین ۔ قال عفریت من الجن انا آتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین ۔ قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر ومن

؎۱ تفہیم القرآن ج ۳ صفحہ ۵۷۱-۵۷۲ حاشیہ ۱۷-۱۸

؎۲ تفہیم القرآن ص ۲۳۲ ج ۳ حاشیہ ۴۹ ۔

تماز نا شایشکر لنفسہ ومن کفر فان ربی غنی کریم ؏

(النمل آیت ۳۹ تا ۴۰)

ترجمہ :- سلیمان علیہ السلام نے کہا اے اہل دربار تم
میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے۔ قبل اس کے
کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں۔ جنوں میں سے
ایک قوی ہیکل نے عرض کیا میں اسے حاضر کر دوں گا۔ قبل
اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اسکی طاقت رکھتا ہوں
اور امانت دار ہوں۔ جس شخص کے پاس کتاب کا ایک علم تھا وہ
بولا " میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لائے دیتا ہوں " جونہی
کہ سلیمان علیہ السلام نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو
پکار اٹھے یہ میرے رب کا فضل ہے۔ تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں
شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا
ہے اس کا شکر اس کے اپنے ہی لئے مفید ہے۔ ورنہ کوئی ناشکری
کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے۔

اس شخص کے بارے میں قطعی طور پر یہ معلوم نہیں کہ وہ
کون تھا اور اس کے پاس کونسا اس قسم کا علم تھا۔ اور اس کتاب
سے کونسی کتاب مراد ہے جس کا علم اس کے پاس تھا۔ ان امور
کی نہ کوئی وضاحت قرآن میں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں۔ مفسرین
میں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ
کوئی انسان تھا۔ پھر اس انسان کی شخصیت کے تعین میں بھی
ان کے درمیان اختلاف ہے کوئی آصف بن برخیاہ
(ASAP BOD BARCHIAH) کا نام لیتا ہے جو یہودی
ربیوں کی روایات کے مطابق رئیس الرجال
تھے کوئی کہتا ہے کہ وہ حضرت خضر تھے کوئی کسی اور
کا نام لیتا ہے اور امام رازی کو اصرار ہے کہ وہ خود حضرت
سلیمان علیہ السلام تھے۔ لیکن ان میں سے کسی کا بھی کوئی
قابل اعتماد ماخذ نہیں ہے اور امام رازی کی بات تو قرآن

کے سیاق و سباق سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح اس
کتاب کے بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں کوئی کہتا
ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور کوئی کتاب شریعت مراد
لیتا ہے لیکن یہ سب محض قیاسات ہیں اور ایسے ہی قیاسات
اس علم کے بارے میں بلا دلیل و ثبوت قائم کر لئے گئے ہیں جو
کتاب سے اس شخص کو حاصل تھا۔ ہم صرف اتنی ہی بات جانتے
اور مانتے ہیں جتنی قرآن میں فرمائی گئی ہے یا جو اس کے الفاظ
سے مترشح ہوتی ہے۔ وہ شخص بہر حال جنوں میں سے نہ تھا
اور بعید نہیں کہ وہ کوئی انسان ہی ہو۔ اسکے پاس کوئی
غیر معمولی علم تھا اور وہ اللہ کی کسی کتاب (الکتاب) سے
ماخوذ تھا۔ جن اپنے وجود کی طاقت سے اس تخت کو چند گھنٹوں
میں اٹھا لانے کا دعویٰ کر رہا تھا یہ شخص علم کی طاقت سے
اس کو ایک لحظہ میں اٹھا لایا۔[1]

خلاصہ :- مندرجہ بالا سطور میں ہم نے علم کی وسعت اور
اہمیت اور اس کی تعریف پر قرآن و احادیث کی روشنی میں
مفصل بحث کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انسانی زندگی کی صحیح
رہنمائی کیلئے عقلی دلائل سے اس کی ضرورت کو بھی ثابت کیا
مزید برآں یہ کہ مخلوقات کی تین قسمیں ہیں : جمادات، نباتات
اور حیوانات۔ پھر حیوانات کی دو قسمیں ہیں۔ حیوان ناطق یعنی انسان
اور حیوان غیر ناطق یعنی جن و انسان کے علاوہ دوسرے چلنے پھرنے
والے حیوان۔ جمادات، نباتات اور حیوان غیر ناطق کی تخلیق کا مقصد
محض جن و انس کی خدمت ہے یہی ان کی عبادت اور اطاعت
خداوندی ہے۔ جن و انس کے علاوہ دیگر مخلوقات میں سے بعض
ایسے ہیں جن پر ہمارا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے جیسے چاند
سورج، دھوپ، ہوا اور بارش وغیرہ اور بعض ایسے ہیں
جن سے ہم اپنی خواہش کے مطابق مستفید ہو سکتے ہیں۔

---

[1] تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۵۷۷ حاشیہ ۴۲

۲۱۱

جیسے نباتات، بعض جمادات اور حیوان غیر ناطق وغیرہ خواہشات اگر علم و شعور سے عاری ہوں تو ظاہر بات ہے کہ ہم خالق کائنات کے منشا کے مطابق ان کی مخلوقات سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ ان سے کما حقہ مستفید ہونے کیلئے علم کی اشد ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، بات چیت کرنے یہاں تک کہ پیشاب پاخانہ کرنے میں بھی ہمیں علم کی ضرورت پڑتی ہے غرض کہ مہد سے لیکر لحد تک انسانی زندگی کا کوئی بھی حصہ علم سے بے نیاز نہیں ہے اور جب معاملہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ہو تو پھر کہنا ہی کیا۔ بقول علامہ اقبال کے کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

آخر وہ کون سا عمل ہے جو راہ جنت کی نشاندہی کرتا ہے؟ اس کی شناخت اور پہچان کس طرح ہوگی؟ خیر و شر کے بیچ تفریق کون کرے گا؟ زہر و امرت کا شعور کہاں سے ہوگا؟ خالق و مخلوق، عابد و معبود اور بندہ و خدا کا حقیقی تعارف کون کرائے گا؟

معلوم ہوا کہ ان تمام کے پیچھے علم ہی کا ہاتھ ہے۔ یہیں سے ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا علم ہے۔ علم سائنس و جغرافیہ ہے یا علم تاریخ و معاشیات؟ یا علم طب و حکمت ہے یا کوئی دوسرا؟ تو اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ اس علم سے مراد آپ جو بھی لیں آپ کو اختیار ہے چاہے جسے حاصل کریں [illegible] (۱) لیکن وہ علم جو خدا کی بخشی ہوئی فطری اوصاف کا پختہ شعور عطا کرے جو حق و باطل کی شناخت کرانے میں معاون و مددگار ثابت ہوں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آشنا کرائے اس کی تحصیل ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ یہی کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کا علم ہے جسے ہم علم معرفت بھی کہہ سکتے ہیں۔

سچ ہے کہ علم ایک انمول دولت ہے۔ جہالت کی تاریکی میں ہدایت کی تلوار ہے۔ قلب کو روشنی اور دماغ کو شعور کی غذا دیتا ہے۔ مصیبت میں صبر و ضبط کا درس دیتا ہے۔ راحت میں کبر و غرور کو مٹاتا ہے۔ روح کو تازگی اور جسم کو دلکشی بخشتا ہے۔ بیماری کے لئے آب حیات اور تندرستی کے لئے مشعل راہ ہے۔ تخیل کو پرواز، جذبات کو صحیح رخ، اخلاق کی بلندی اور پستی کو عروج دیتا ہے ؎

شاداب زمیں تم سے فضا تم سے شہابی
تم عرش سے تا فرش گلابی ہی گلابی!

اے علم! واقعی تو نور و ہدایت کا منبع ہے۔ مصیبت زدوں کا سہارا، بے کسوں کا ساتھی اور مفلسوں کا غمخوار ہے۔ تو زندگی کی لطافت ہے۔ حیات جاوداں کا قاصد ہے۔ تجھ ہی سے عابد کی عبادت اور مخلوق کی بندگی ہے۔ تجھ ہی سے عادل میں انصاف اور قلب مومن میں نور ایمان جلوہ گر ہے لیکن آہ ؎

نہ حرمت سے کمی ہے دل میں تڑپنے کا سلیقہ ہے
ہمیں جلیسوں سے میخانہ ترا بدنام ہے ساقی!

کاش کہ انسان تحصیل علم کے ساتھ ساتھ سرگرم عمل بھی ہوتا۔

* * * * *

(۱) دراصل بعض علوم تو فرض کفایہ میں داخل ہیں جیسے علم طب اور علم حساب وغیرہ اور بعض علوم شرعاً ممنوع ہیں مثلاً علم سحر یا جادو اور علم نجوم وغیرہ کیونکہ سحر سے مخلوق کو نقصان پہونچانے کیلئے علم نجوم سے لوگ تقدیر اور مستقبل کا [illegible] کرنے لگے اس لئے یہ دونوں شرعاً ممنوع ہیں

(ملک محمد فیروز فاروقی)

خالد بن یزید ـــــ پہلا مسلمان سائنس دان

بنو امیہ کے دور حکومت (۶۶۱ء-۷۵۰ء) میں ملت اسلامیہ کے قابل ترین دماغوں نے خلفاء کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کے نتیجے میں جو لازوال علمی و فکری کارنامے سرانجام دیئے اور جس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ سائنس فلسفہ، معاشرتی علوم اور الہیات و سیاسیات کے علوم میں اساسی نوعیت کے قابل قدر اضافے کئے اور آئندہ نسلوں کے لئے بے مثال شمعیں فروزاں کیں وہ بھی اور واقعاتی تاریخ نگاری کا ایک روشن باب ہیں۔

بے لاگ اور غیر جانبدارانہ تاریخی ریسرچ نے اس حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ اسلامی تاریخ میں خلفائے بنو امیہ کا عہد درخشندہ روایات اور تابندہ نقوش سے مزین رہا ہے۔ خلفائے اسلام علم پرور اور فکر دوست تھے اور انہوں نے ایسا کردار ادا کیا جو اسلامی تہذیب و ثقافت کی نشوونما اور عروج و ترقی کے لئے اس وقت کے عمرانی و تہذیبی حالات میں لازمی تھا۔ قرآن کریم کے ساتھ مسلمانوں کا براہ راست تعلق عروج پر تھا اور اسلامی معاشرہ کے تعلیمی و تربیتی نظام میں اس کتاب کو مرکزی حیثیت حاصل تھا۔ جو اس کے بنیادی تقاضے کا ناگزیر اور لازمی نتیجہ تھا۔ قرآن کریم کے سائنسی محرکات کے زیر اثر اسلامی دماغوں نے مطالعہ کائنات کو موضوع فکر ٹھہرایا تھا اور ابھی تک اس تحریک نے مسلمانوں کے معاشرتی و تمدنی حالات پر اپنے اثرات مرتب کرنا تھے۔ ان حالات میں خلفائے اسلام نے تحقیق و ریسرچ کے بہترین مواقع فراہم کئے اس علمی و فکری تحریک میں بذات خود حصہ لیا۔

اور جب اسلامی اقتدار دمشق (۶۶۱ء-۷۵۰ء) سے بغداد (۷۵۰ء-۱۲۵۸ء) اور قرطبہ (۷۵۶ء-۱۴۹۲ء) میں منتقل ہوا تو خلفائے بنو امیہ کی قائم کردہ درخشندہ روایات اور تابندہ نقوش کو مزید نکھرنے کا بھرپور موقعہ ملا اور اسلامی تہذیب و تمدن عروج و ترقی کے ایسے درجہ تک پہنچی کہ چہار دانگ عالم میں نسل انسانی متاثر ہوئی اور مسلمانوں کی برتری کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکی۔

لیکن ہماری بدقسمتی اور بداتفاقی ملاحظہ فرمائیے کہ بعض سیاسی اختلافات اور نسلی تعصبات کے زیر اثر ہم نے سیاسی و تہذیبی زوال کے دور میں اپنی ہی حیات افروز تاریخ کو غلط رنگ میں پیش کیا اور تاریخ نگاری کے مسلمہ اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے اس کی قدر و قیمت کو

ختم کرنے کی دانستہ و نادانستہ کوشش کی اور اسلام دشمن باطنی تحریک کا آلۂ کار بن کر ہم نے اسلامی تاریخ کے ان زرین قرون کو تنسیخ اسلام کے ادوار قرار دے ڈالا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے فاضل مقالہ نگار نے خوب لکھا ہے کہ تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈہ بنی امیہ کی خلافت کی تحقیر و تذلیل کرنے کی غرض سے مسلسل طور پر ہوتا رہا ہے اور جس پیمانے پر جاری رہا اس کی مثال شاید ہی کہیں اور مل سکے۔ ہر قسم کی برائی اور معصیت کو جو تصور میں لائی جا سکتی ہے بنی امیہ سے منسوب کیا گیا۔ ان پر اتہام لگایا گیا کہ مذہب اسلام ان کے ہاتھوں میں محض بہانہ تھا اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ انہیں نیست و نابود کر دیا جائے۔ اس عہد کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں ایسی خیالات اور پروپیگنڈہ کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے مشکل ہی سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

ظہور اسلام سے تقریباً دو سو سال بعد خلافت بغداد کے دور (۷۵۰ء - ۱۲۵۸ء) میں پروان چڑھنے والی جس زبردست اور عظیم الشان علمی و فکری تحریک کا ہم نہایت فخر کے ساتھ ذکر کرتے اور اسے عالمی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں شمار کرتے ہیں اس کی بنیادیں خلفائے دمشق ہی کے دور میں رکھی گئی تھیں۔ قرآن کریم کے علمی اور سائنسی محرکات نے مسلمانوں میں علمی جستجو، تحقیقی شعور اور تجرباتی طریق کار، تجزیاتی فکر اور مشاہداتی رجحان کو جنم دیا جو ہمیں دور اول کے مسلمان سائنسدانوں میں نظر آتا ہے۔

زیر نظر مقالہ کا مقصد ایک ایسے سائنسدان کا تعارف کرانا ہے جسے بجا طور پر قرون دمشق کے مسلمان سائنسدانوں کی جماعت کے امیر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس تحریر میں کوشش کی گئی ہے کہ سائنس میں خالد بن یزید کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے علم کیمیا کی ترقی اور نشو و نما میں مسلمانوں کی خدمات کا عمومی تعین کیا جا سکے تاکہ تاریخ و فلسفہ سائنس کے طالب علموں پر یہ حقیقت آشکار ہو کہ قرآنی تعلیمات کے زیر اثر قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ کا اسلامی ذہن کس قدر ترقی پسند بلکہ ترقی یافتہ تھا؟

اہل یونان نے جغرافیائی و ماحولی جبریت کے زیر اثر چند سائنسی نظریے پیش کئے تھے لیکن یونانی علماء اپنے نظریات کی تجرباتی تصدیق کے قائل نہ تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ اکسیر کے ذریعے ناقص دھاتوں کی اصلاح کر کے انہیں مزید بہتر اور مفید بنایا جا سکتا ہے یہی نظریہ در اصل چاندی سے سونا بنانے کے یونانی جنون کا ماخذ تھا اسی نے بھی حقیقت اور یونانی سائنسی فکر کی بنیادی کمزوری ہے۔ پیش نظر تاریخ سائنس کے جدید علماء زمانہ قدیم (ابتداء) سے ۶۰۰ء تک کے دور کو علم کیمیا کی تاریخ میں یونانی نظریاتی و غیر تجربیت یا "نظریاتی دور" کا نام دیتے ہیں جس کا آغاز حکیم بابل ہرمس سے ہوتا ہے۔

مستزاد یہ کہ اس نظریاتی یونانی فکر کو بھی خطرناک بلکہ مہلک مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یونانی ثقافت اور علوم کا دائرہ جب مصر، شام اور مغربی ایشیا میں پھیل چکا تو پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں تھیوڈوسیس اعظم (۳۷۹ء - ۳۹۱ء) اور قیصر جسٹینین اول (۵۲۷ء - ۵۶۵ء) نے یونانی افکار و علوم کے حامیوں کو ملک بدر کر دیا۔ روما کے اسکول سمیت تمام مدارس بند کروا دیئے

ان ملک بدر علماء نے خوزستان (ایران کا جنوب مغربی علاقہ) کے شہر جندے شاپور اور سرزمین دجلہ و فرات کے شہر حران میں علمی مراکز قائم کئے۔ ان مراکز میں کتابوں کے ترجمہ کا کام عیسائیوں کے ہاتھوں سرانجام دیا گیا۔ بعد ازاں انہی ترجموں کو بنوامیہ کی سرپرستی میں عربی میں منتقل کیا گیا۔

خلافت بنوامیہ کے آغاز سے دراصل عملی کیمیا گری کا دور (۶۵۰ - ۱۷۰۰ء) شروع ہوتا ہے اور خالد بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ اسی تاریخ ساز دور کے روشن دماغ، طباع اور ذہین سائنس داں تھے۔ جنہیں ابن الندیم الوراق نے حکیم آل مروان قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل اسلام میں اس موضوع پر سب سے پہلے اسی شخص نے کام کیا۔

خالد ۶۶۵ء میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کے ہاں پیدا ہوئے اور معاشرے کے ذوق و رواج کے مطابق اعلیٰ تعلیم و تربیت پائی۔ طبیعت میں شروع ہی سے سیاست کی بجائے علم و فکر کی جستجو اور سائنسی ذوق کا رجحان تھا۔ جوانی میں ایک بار گورنر حمص بھی مقرر کئے گئے لیکن جلد ہی اسے چھوڑ کر علمی تحقیقات کی طرف ہمہ تن توجہ مبذول کر لی۔ اس اموی نوجوان نے کیمیا گری کا علم ایک رومی راہب موریانس سے حاصل کیا تھا۔ اس نے قدیم یونان و مصر کی تالیفات جمع کیں اور انہیں عربی میں ترجمہ کرنے کی غرض سے مصر اور دمشق میں دارالترجمے قائم کئے گئے

یونانیوں کے علم و حکمت سے واقفیت حاصل کرنے کی اولین خواہش و تحریک انہی خالد بن یزید کے دل میں پیدا ہوئی جو علم کیمیا سے طبعاً ایک خاص شغف رکھتا تھا۔ فہرست ابن الندیم کے بیان کے مطابق جو اس بارے میں ہماری معلومات کا سب سے قدیم اور سب سے بہتر ذریعہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے، خالد نے یونانی فلاسفروں اور علماء کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ یہ ترجمے پہلے ترجمے تھے جو دوسری کسی زبان سے عربی میں کئے گئے۔

مصر اور دمشق کے دارالترجمہ میں خالد کے مقرر کئے ہوئے مترجموں میں سے ایک کا نام اسطفانوس (اصطفن) تھا۔ جس نے اس کے کہنے پر متعدد کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا "خزانۃ الطرب فی لغات العرب" کے فاضل مصنف نے خالد کے تین رسائل کا بھی ذکر کیا ہے جو علم کیمیا کے موضوع پر لکھے گئے تھے۔ خالد اور اس کے ساتھیوں نے ایک باقاعدہ کیمیائی تجربہ گاہ فراہم کرنے کی بنیادیں فراہم کیں اور انہیں خطوط پر آگے چل کر جابر بن حیان (۷۲۱ء - ۸۱۵ء) نے یہ تجربہ گاہ عملاً قائم کر کے بہت سے مفید تجربات کئے جن کی بدولت مسلمان اس قابل ہو سکے کہ علم کیمیا کو خالصتاً ایک تجرباتی سائنس کی صورت عطا کریں۔ "تاریخ ادب عربی" کے مؤلف نے بھی خالد کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرون وسطیٰ کا مشہور ماہر فن کیمیا جابر بن حیان، غالباً خالد بن یزید کا شاگرد تھا۔ پروفیسر براؤن اور فلپ کے ہٹی نے اس امر میں شک کا اظہار کیا ہے کہ جابر نے علم کیمیا کی تعلیم خالد بن یزید سے حاصل کی تھی لیکن جرجی زیدان نے اسے بدلائل ثابت کیا ہے کہ جعفر الصادق (وفات ۷۶۵ء) نے اس قسم کی تعلیم خالد بن یزید سے حاصل کی تھی اور جابر بن حیان رحمۃ اللہ نے جعفر الصادق سے اکتساب فیض کیا تھا۔

غرضیکہ خالد نے علم کیمیا کو ترقی پسندانہ رخ دیا اور صحیح سمت عطا کی۔ سونا چاندی بنانے کے جنون کی بجائے علم کیمیا کو علم طب و قرابادین میں اشیاء کے اجزاء و خواص کے تعین میں مدد لینے کا رجحان فروغ پانے لگا۔ لیبارٹری میں ایسی دریافتیں ہوئیں جن کی بدولت عربوں کے فن حرب کو رومی فن حرب پر زبردست فوقیت حاصل ہو گئی۔ رومی

افواج مسلمانوں کیساتھ جنگ و پیکار کی کارروائیوں میں گریک فائر (آتش یونان) کے استعمال کے ذریعے وسیع جانی و مالی نقصان کرتی تھیں۔ گریک فائر ایک شامی عیسائی کی ایجاد تھی جس میں کیمیاوی مرکب پچکاری کے ذریعے آگ پھینکتا تھا۔ خالد کی تجربہ گاہ میں مسلمان سائنس دانوں کی سعی مسلسل کے نتیجہ میں ایک ایجاد منظر عام پر لائی گئی جس میں روغن نفت استعمال ہوتا تھا۔ صلیبی جنگوں میں اسلامی افواج نے گریک فائر کے توڑ کیلئے اس کا وسیع پیمانے پر استعمال کیا تھا۔

علامہ خالد کے شاگرد جابر بن حیان نے ایک کیمیاوی تجربہ گاہ قائم کی تھی جو ظاہر ہے کہ استاذ کی فنی تربیت ذوق جستجو اور سائنسی فکر کا براہ راست نتیجہ تھا۔ ہمیں علم کیمیا کی تاریخ کے اس ابتدائی دور میں ایسے حیرت کن حقائق سے واسطہ پڑتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مثلاً یہی کہ خالد کا شاگرد جابر بن حیان بہت سے کیمیاوی عوامل حتیٰ کہ کسری کشید (FRACTIONAL DISTILLATION) شورے اور نمک کا تیزاب بنانے، سٹیل (STEEL) تیار کرنے، چمڑا رنگنے اور روغن بنانے کے طریقوں سے کماحقہ واقف تھا۔ جدید علم کیمیا کے ماہرین کو اس ابتدائی دور کے مسلمان دانشوروں کا ممنون ہونا چاہیئے کہ ان کی روشن خدمات اور شبانہ روز عملی و تجربی تحقیق کے نتیجہ میں نہ صرف تکلیس (CALCINATION) عمل کشید (DISTILLATION) تصعید (SUBLIMATION) تقطیر (FILTRATION) اور تخمیر (FERMENTATION) کا باقاعدہ استعمال ہونے لگا۔ بلکہ کٹھالی (CRUCIBLE) ریٹارٹ (RETORT) اور بھٹی (FURNACE) ایسے مفید کیمیاوی آلات و ظروف بھی تیار کئے گئے۔

افسوس کہ مسلمانوں کے باہمی مناقشات، مذہبی و نسلی تعصبات اور سیاسی اختلافات نے تاریخ کے آئینہ کو بھی صاف نہ رہنے دیا۔ مورخین نے اپنے اپنے نظریات اور خیالات کو تاریخ نگاری پر اثر انداز ہونے دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عقیدت کے اندھے جذبات نے حقائق کی تہہ تک پہنچنے اور واقعات کا بے لاگ تجزیہ کرنے کے بجائے اس پراپیگنڈہ پر اکتفا کر لیا جو مخصوص سیاسی مقاصد کے تحت صدر اول کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف صدیوں سے جاری ہے اور جس کی طرف ڈرے ڈرے بایں الفاظ اشارہ کیا ہے کہ "سچ کو جھوٹ سے بمشکل ہی تمیز کیا جا سکتا ہے"۔ مورخ اسلام ابن خلدون نے بھی اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نااہل اور خود ساختہ مورخین نے تاریخ کو باطل اور من گھڑت خرافات اور روایات سے خلط ملط کر ڈالا۔ لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں بھر ڈالیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روایات ادھر ادھر سے لے کر اس میں شامل کر دیں۔

عصر حاضر میں دین اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے واضح امکانات اور حوصلہ افزا توقعات کے پیش نظر لازمی ہے کہ ہم اسلامی تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ایسے واقعات کو موثر انداز میں قلمبند کریں جن کا تعلق سائنس کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات سے ہے تاکہ ہمارے طالب علم اپنی تاریخ کو محض جنگ و قتال اور مخاصمت و منافقت کی تاریخ یقین کرنے کی بجائے ایسی متحرک اور فعال تاریخ تصور کریں جو ہمارے اسلاف کے عظیم الشان علمی و فکری کارناموں سے لبریز ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۲

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد وہ علماء جو بوجہ اللہ غلبہ دین کی اقامت میں لگے ہوئے ہیں جان سکتے ہیں کہ آج ان کی ذمہ داریاں بھی کتنی دہری ہو چکی ہیں۔

علماءِ حق کی ذمہ داریاں

(جلیل الرحمٰن ندوی)

مشہور حدیث نبوی ہے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاء (میری امت کے علماء انبیا کے وارث ہوں گے) مذکورہ حدیث پاک کی طرح اور بھی بہت سی احادیث میں علماء امت کو اپنی ذمہ داریوں کا شعور واحساس دلایا گیا ہے۔ محمد رسول اللہ خدا کے آخری پیغمبر تھے۔ لہذا آپ کے بعد قیامت تک اپنی امت کی قیادت واصلاح کا کام خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کے سپرد فرمایا ہے۔ اور اگر ہم اسلامی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو ہم کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اس امت کے علماء نے کیسے کیسے ناساعد حالات میں امت کی اصلاح حال کیلئے کتنی عظیم جدوجہد کی ہے۔ پوری اسلامی تاریخ ایسے علماء کے تجدید دین واصلاح امت کے کارناموں سے پر ہے۔ اور اسلامی تاریخ کا کوئی ایک دور بھی ایسا نہیں گذرا ہے جس میں ایسے مصلحین موجود نہ رہے ہوں۔ مثال کے طور پر امام ابوحنیفہؒ، امام مالک بن انسؒ، شیخ عبدالعزیز بن یحییٰ الکنانیؒ، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، سید احمد شہید بریلویؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور امام حسن البنا شہیدؒ کے حالات زندگی سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ ان علماء کی طرح ان جیسے بے شمار علماء نے رسول اکرم کے ارشاد کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو کیسے جاں بلب حالات میں نبھایا ہے اور اپنے وقت کی باطل قوتوں کے مقابلے میں کس طرح دین حق کے لئے ڈھال بن گئے ہیں۔

لیکن اسلامی تاریخ کے تفصیلی مطالعے سے تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ ہر دور میں علماء حق کے ساتھ ساتھ ایسے بھی بکثرت علماء موجود رہے ہیں جنھوں نے دین کا علم حاصل کر کے اسے دنیا پرستی کا ذریعہ بنایا ہے خواہ ان کے اس فعل قبیح سے دین کو کتنا ہی زبردست نقصان کیوں نہ ہو رہا ہو۔ اور ایسے علماء کی تعداد ہمیشہ علماء حق کے مقابلے میں زیادہ ہی رہی ہے۔ اس کے ثبوت کیلئے صرف ہندوستان میں اکبری دور کی جانب اشارہ کافی ہوگا۔

ہندوستان میں اکبر بادشاہ کی گمراہی سے ہر خاص و عام واقف ہے جس شخص نے ہندوستانی تاریخ کا تھوڑا سا بھی مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اکبر کے دربار میں ابوالفضل اور فیضی اس وقت کے زبردست عالم تھے۔ لیکن انھیں کے ذریعے سے اکبر نے دین حق کو کس طرح مسخ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے انہی کی مدد سے ایک نیا دین ایجاد کیا جس کا کلمہ تھا لا الٰہ الا اللّٰہ، اکبر خلیفۃ اللّٰہ، اور اس نے دین کا نام

دین الٰہی اکبر شاہی رکھا گیا۔ بادشاہ پرستی اس دین کے ارکان میں ایک لازمی امر تھا۔ عوام تو کیا اس وقت کے بڑے بڑے علماء بادشاہ کو بے تکلف سجدہ کرتے تھے۔ اور اس طرح ترک "سجدہ تحیہ" اور "زمین بوسی" جیسے الفاظ کا جامہ پہنایا کرتے تھے۔ یہ وہی طرز حیلہ سازی تھی جو یہود اور علمائے نصاریٰ کا شیوہ تھا۔ وہ بھی بادشاہوں اور امیروں کی ہوائے نفس اور ان کی ناجائز خواہشات پوری کرنے کیلئے شریعت کے صریح احکام کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے حیلے نکال کر ایسی صورتیں پیدا کر لیتے کہ حکام وقت کی شیطانی خواہشات پوری ہو جائیں اور اس کے بدلے میں شاہانہ بخشش و انعام حاصل کرتے تھے۔ لیکن اکبری دور کی اس زبردست گمراہی میں بھی ہمیں صرف ایک مرد مجاہد نظر آتا ہے جس کا نام شیخ احمد سرہندیؒ ہے اگرچہ اس وقت بھی ہندوستان کے کونے کونے میں بڑے بڑے علماء اور مشائخ موجود تھے مگر ان سب کے درمیان وہ اکیلا شخص تھا جس نے شاہی قوت کے مقابلے میں یکہ و تنہا احیائے دین کی جدوجہد کی۔ اس بے سروسامانی میں تنہا نے علی الاعلان اٹھ کر ان گمراہ علماء کی مخالفت کی جنھیں حکومت کی حمایت حاصل تھی۔ حکومت نے اپنی تمام تر قوت و طاقت سے اس کی آواز کو دبانے کی کوشش کی۔ اسے قید و بند کی صعوبتیں دیں۔ لیکن ان تمام مزاحمتوں کے باوجود وہ [illegible] کا منہ پھیرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور امت نے اس کو مجدد الف ثانیؒ کے نام سے یاد رکھا۔

مذکورہ تاریخی واقعہ ہم نے صرف مثال کیلئے پیش کیا ہے جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس امت میں کتنے علماء نے اپنی ذمہ داریاں کما حقہ پوری کی ہیں۔ اور کتنے علماء دین کا علم رکھنے کے باوجود دین کی مخالف طاقتوں کا آلہ کار بننے پر رضامند ہو گئے ہیں۔

آج بھی ایک عام مسلمان جب اپنے ہم عصر علماء کی عملی زندگی پر نظر ڈالتا ہے تو ایک لمحہ کیلئے وہ دین سے ہی بیگانہ ہونے لگتا ہے۔ لیکن اگر یہ حقیقت اس کے سامنے منکشف ہو جائے کہ امت کی تاریخ میں علماء حق کے ساتھ ساتھ علماء سوء بھی ہمیشہ بکثرت رہے ہیں تو اس کا ذہن صرف ان علماء کی طرف سے بیگانہ ہو سکتا ہے۔ دین کی حقانیت پر اس سے کوئی حرف نہ آئے گا کیوں کہ اس وقت بھی درحقیقت دنیا میں علماء سوء کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن کمیونزم ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینا چاہتا ہے اس کیلئے وہ دنیا کے ہر ملک میں اور ہر ممکن طریقے سے جڑ پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور جہاں اس کے مبلغوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہاں کے عوام کمیونسٹ پارٹی کے نام سے اس سے متنفر ہو سکتے ہیں وہاں وہ کسی اور نام سے اپنا نفوذ کر رہا ہے۔ افغانستان کی موجودہ مثال دنیا کے سامنے ہے کہ وہاں کمیونزم کے ماخذ روس نے کیا تباہی مچا رکھی ہے۔ ایسے پر آشوب دور میں علماء حق کی ذمہ داریاں کتنی بڑھ جاتی ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر اسلام دشمن نظریات اور تحریکوں کو ختم کرنے کیلئے امت کی رہنمائی کریں اور متحد و منظم ہو کر اس عظیم مقصد و جہد میں مصروف ہو جائیں۔

ہمارے ملک میں اس وقت کئی باطل قوتیں باہم متصادم ہیں لیکن یہ بھی حکمت ہے خدا نے ہمیں عطا فرمائی ہے کہ ہم ان کے شر دشمنان کو پہچان سکیں۔ اس ملک کے مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ اس نازک اور پر خطر دور میں بھی ان کے علماء کرام جو بڑے بڑے دار العلوموں سے دستار فضیلت باندھیں جن کے چہروں پر لمبی لمبی داڑھیاں ہیں جن کے لباس بھی سو فیصدی شریعت کے مطابق ہیں مگر وہ بقیہ صفحہ [illegible]

موجودہ بگاڑ اور نوجوانوں کا رول

آج پوری انسانیت گوناگوں مسائل کا شکار ہو کر کرب و اضطراب میں مبتلا ہے، اور دنیا میں امن و سکون کا فقدان اور بے اطمینانی کی کیفیت ہے۔

اخلاقی و مذہبی اعتبار سے دیکھا جائے تو ایک طرف روح فرسا منظر ہے۔ مذہب کو تنگ نظری، کم ظرفی، تشدد، خانہ معرکہ آرائی اور جنگ و جدال کا نام دیکر بدنام و رسوا کرنے کی ناکام مساعی کی جا رہی ہیں۔ اخلاق و شرافت کے معیار بدل چکے ہیں۔ بے پردگی، عریانیت، جنسی آوارگی اور برہنہ پن کو تہذیب کے خطاب سے نوازا جا رہا ہے۔ عام انسانی اور فطری برائیاں مثلاً زناکاری، شراب و قمار بازی، قتل و غارتگری وغیرہ جن کو تاریخ کے ہر دور میں انسانی مذموم و ملعون گردانا ہے، عام ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ عقیدۂ توحید بلکہ عقیدۂ وجود خداوندی، سلسلۂ رسالت اور تصور آخرت کو دنیا [illegible] پسماندگی اور رجعت پسندی کا نام دیکر ان کا مضحکہ اڑایا جا رہا ہے۔ اور زندگی کے تمام شعبوں سے مذہب کو بے دخل کیا جا رہا ہے۔ غرضیکہ دنیا الحاد، خدا بیزاری اور اخلاقی پستی کا شکار ہے۔

تمدنی اور سماجی اعتبار سے نظر ڈالا جائے تو انسانیت عدم مساوات اور چھوت چھات کی دلدل میں [illegible] آج بھی سوسائٹی طبقات میں تقسیم ہو چکی ہے۔ قوم و وطن اور رنگ و نسل کے بتوں نے انسان کے ذہن میں [illegible] اور عربی و عجمی کا تصور پیدا کر کے سماج کو افتراق و انتشار کی لعنت میں مبتلا کر دیا ہے۔ جنوبی افریقہ اور امریکہ وغیرہ میں سیاہ فام باشندے مظالم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ انسانی حقوق پامال کئے جا رہے ہیں۔ انسان خدائی کا مقام حاصل کرنے کے لئے اپنے ہم جنسوں کو غلام بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ حتی کہ انسانی خون کی ارزانی ہو گئی ہے۔ قتل و غارتگری، دہشت گردی اور انسانوں کو زندہ نذر آتش کرنے کے روح فرسا واقعات روز دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں۔ [illegible] ہو گئی ہے اور مساوات و آزادی محض ایک [illegible] سیاست کے ایوانوں، حکومت کے دفاتر جس میں رشوت، کمزوروں اور بے حیائی کی تمام [illegible] جاری ہے۔ حتی کہ صنفی آزادی اور عورتوں کو آوارگی کے ذریعے انسانی اقدار پر تیشہ چلایا جا رہا ہے۔

سیاسی اور قانونی اعتبار سے دنیا کا امن و امان خطرے میں ہے۔ قانون مفلوج الحال، پولیس، اور مجبور ہو کر جرائم کے انسداد کے بجائے ان میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے قانون کے دامنِ عافیت میں مظلوم و مجبور کی جگہ ظالم و غاصب کو پناہ مل رہی ہے، پوری دنیا سیاسی انارکی کا شکار ہے شر و فساد، توڑ پھوڑ، ہنگامہ آرائی اور ملکی و قومی جائداد کی تباہی کے ذریعے سیاسی بازیگری کا تماشہ دکھایا جا رہا ہے نوجوان نسل کو اپنا آلۂ کار بنا کر ہڑتال اور مظاہروں کے ذریعے اپنا سیاسی مقام پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کسی بھی ملک میں سیاسی استحکام نہیں ہے۔ دنیا کے بڑے حصہ میں سیاسی انقلابات اور بغاوتوں کا چرچا ہے پھر سیاست اپنے اصولوں سے ہٹ کر ایک پیشہ کی شکل اختیار کر چکی ہے، دنیا کی سیاسی قیادت اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہو کر خود غرض، مفاد پرست، ناکارہ اور بوگس ہو گئی ہے۔

معاشی اور اقتصادی اعتبار سے پوری دنیا معاشی ناہمواری کا شکار ہے۔ دنیا کے مزدوروں کو متحد کر کے مزدور اور سرمایہ دار کے درمیان کشمکش اور جنگ کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے گرانی میں اضافہ ہو رہا ہے اور قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ آج کے بینکنگ سسٹم کے ذریعہ امیر زیادہ امیر اور غریب نہایت غریب ہوتے چلے جا رہے ہیں، چور بازاری، منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی جیسے جرائم نے دنیا کی اقتصادی حالت دگرگوں کر دی ہے اور کرۂ ارضی کی بیشتر انسانی آبادی غذائی بحران کا شکار ہے، بینکوں کی شرح سود اور محصولوں کے ٹیکسوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

سائنسی اور ٹکنالوجی کے میدان میں نام نہاد ترقی کے نام پر انسانیت کو تباہی کے عمیق غار میں دھکیلا جا رہا ہے۔ دنیا کے اجارہ دار ممالک نے اسلحہ کی تیز رفتاری کے ذریعہ تیسری عالمگیر جنگ کا ماحول پیدا کر دیا ہے اور پوری دنیا ایک بار پھر ہیروشیما اور ناگاساکی بن سکتی ہے۔

غرضیکہ ہر اعتبار سے زندگی کے تمام شعبہ جات میں دنیا پریشاں حال اور مضطرب ہے اور خود ہمارا ملک ہندوستان بھی کم و بیش انہیں نازک حالات اور سنگین مسائل سے دوچار ہے۔

دوسری طرف حالت یہ ہے کہ ان مسائل کا حل کرنے کا دعویٰ کرنے والے دنیا کو راحت و سکون بخشنے کا نعرہ لگانے والے تمام نظریات زندگی کے میدان میں ناکام ہو چکے ہیں خصوصاً گذشتہ چند سالوں میں اشتراکیت و سرمایہ داری کو اقتصادی نظریات کی حیثیت سے، مغربی جمہوریت اور مطلق العنانیت کو سیاسی نظریات کی حیثیت سے اور سیکولرزم و سوشلزم کو سماجی نظریات کی حیثیت سے آزمایا جا چکا ہے اور عام انسانیت ان نظریات سے مایوس اور بیزار ہو کر ایک ایسے نظام کی تلاش اور منتظر ہے جو ان تمام مسائل کو حل کر کے دنیا کو امن و اطمینان، سکون و راحت، عدل و قسط اور حق و انصاف کا قیام عمل میں لائے۔ بالفاظ دیگر پورا عالم اسلام اس نازک ترین موڑ پر کھڑا ہو کر حقیقی رہنما اصولوں کی تلاش میں ہے۔

ادھر گذشتہ نصف صدی میں چند اسلامی مفکرین اور اسلامی تحریکات نے اسلام پر چھائے ہوئے گرد و غبار کو دور کر کے اور اسے مسجد کی چہار دیواری سے نکال کر کارزار حیات میں مکمل نظام زندگی اور نظریۂ حیات کی حیثیت میں پیش کیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر آج دنیا کے ہر گوشہ سے اسلامی نشاۃ ثانیہ اور اسلام کے غلبہ و نفاذ کی صدائیں سنی جا رہی ہیں۔

لیکن شکست خوردہ اور تمام باطل نظریات اپنی شکست خوردگی اور ناکامی سے نادم اور چیں بہ جبیں ہو کر جاں کنی کی حالت میں ہونے کے باوجود اسلام سے برسرِ پیکار ہیں۔ اور اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت سے خوفزدہ ہو کر اسے مٹانے اور کچلنے پر تلے ہوئے ہیں۔

ان تمام حالات کے پیشِ نظر دنیا بھر کے مسلمان خصوصاً ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور دنیا کے یہ آزمائشی اور بحرانی حالات اور تاریخ کا یہ نازک اور اہم موڑ ان کے سامنے چیلنج بن کر آ کھڑا ہوا ہے اور وقت اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ ایک طرف اپنی پوری سعی و جہد کے ساتھ عام انسانیت کو یہ سمجھائیں کہ درحقیقت یہ تمام مسائل اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ انسان اپنے خالق و آقا اور مالک و پروردگار کے بتلائے ہوئے اصولوں سے ہٹ کر خود اپنی متعین کردہ راہ پہ چلنے لگا ہے۔ اس لئے ان تمام مسائل کا حل اس امر میں مضمر ہے کہ انسانیت کا اپنے خالق و مالک سے مضبوط رشتہ قائم ہو اور وہ اس کے نازل کردہ دینِ اسلام پر عمل پیرا ہو۔

اس کے ساتھ وہ متفق و متحد ہو کر بنیان مرصوص کی حیثیت سے پورے زور و قوت کے ساتھ ان تمام باطل نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں جو اسلام سے مصروفِ کشمکش اور برسرِ پیکار ہیں اور ان نظریات کو یک نفس مہلت نہ دی جائے۔

پھر نوجوانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کی لاشعوری اور بے حسی کو دور کر کے اسے خوابِ غفلت سے بیدار کریں اور اس میں اپنے مقصد کا شعور اور فرض کا احساس بیدار کر کے حالات کی نزاکت سے آگاہ کراتے ہوئے عمل پر آمادہ کریں، اور یہ بتائیں کہ دنیا میں ایک بار پھر بدر و حنین کے معرکے برپا ہونے کا وقت آ گیا ہے، میدانِ خیبر میں پھر شمشیروں کی جھنکار سنائی دینے لگی ہے اور آج پھر باطل نظریات کا قلع قمع کر کے فتح مکہ کے حالات پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

گویا ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کے لئے یہ ایک فیصلہ کن موقع ہے۔ جس میں بیداری کا ثبوت دے کر وہ آئندہ صدی بلکہ صدیوں کے مالک بن سکتے ہیں۔ اور بصورتِ دیگر اسے ضائع کر کے وہ اپنے آپ کو اور پوری انسانیت کو ہلاکت و تباہی اور ذلت و رسوائی کے جہنم زار میں جھونک سکتے ہیں۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

بقیہ صفحہ ۱۳

موجودہ وقت کے سب سے بڑے طاغوت اور اسلام کیلئے سب سے زیادہ خطرناک تحریک کمیونزم اور اس کے حامیوں کا تعاون کر رہے ہیں۔ اور اس طرح امت کے شیرازہ کو منتشر کر کے رسول اکرم کے اس قول کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ میری امت کے علماء نبیوں کے وارث ہوں گے۔ وہ اپنے علم اور اپنے شرعی لباس کو دنیا کے مال و جاہ کے حصول کا وسیلہ بنائے ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ بالواسطہ باطل قوتوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ ان کی جماعت کا رکن کمیونسٹ پارٹی کا ممبر تو بن سکتا ہے لیکن تحریکِ اسلامی کا ممبر بننا ان کے یہاں ممنوع ہے۔ ان کا ترجمان اخبار ہندوستان میں تحریکِ اقامتِ دین کے خلاف تو صفحات کے صفحات جھوٹے پروپیگنڈوں سے بھر سکتا ہے لیکن کمیونزم کے خلاف ایک سطر بھی لکھنا یا چھاپنے کی زحمت گوارا نہیں کر سکتے۔ اس سے ایک عام مسلمان بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ علماء حق اور علماء سوء میں کیا فرق ہے جو اس وقت کوئے ہند وقت کے باطل تحریکوں کے خلاف صف آرا ہیں اور کون کس طرح ان تحریکوں کے پروردہ کردہ مادی مفاد کو اپنا منتہائے مقصود بنائے ہوئے ہیں۔ ان

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کی

انصار احمد فلاحی
(سکریٹری انجمن)

دو سالہ رپورٹ

معزز مہمانانِ گرامی، اساتذہ کرام اور قدیم و جدید ساتھیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کی خدمت میں اس وقت اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ انجمن کی دو سالہ کارکردگی کی مختصر رپورٹ پیش کروں، چونکہ اس اجلاس میں ارکانِ انجمن کے علاوہ دوسرے بہت سے احباب اور بزرگ بھی شریک ہیں، اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ روداد انجمن سے پہلے اس کا تعارف اور نصب العین بھی مختصر الفاظ میں بیان کر دوں۔

محترم حضرات! اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ دور کے تعلیمی نظام اور اس کے مقاصد میں لادینیت اور خدا بیزاری کو کافی اہمیت حاصل ہے، تعلیم کے نام سے طلبہ کے دماغوں میں آخرت کی بازپرس سے بے خوفی اور اخلاقی انسانی قدروں سے بے فکری پھیلایا جا رہا ہے۔ کلچر و ثقافت کے نام پر سفلی جذبات کو برانگیختہ کیا جا رہا ہے اور نئی نسل میں بے حیائی اور جنسی انارکی کو پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ وطنیت اور ملک سے وفاداری کا لبادہ اوڑھ کر ان کو تعصب و تنگ نظری، فرقہ وارانہ منافرت اور قومی عصبیت کا نشہ پلایا جا رہا ہے، خود غرضی و خود نمائی، عیاشی و فضول خرچی، تشدد اور بے عملی و لذت پرستی جیسے تخریبی امراض پیدا کئے جا رہے ہیں۔

معزز سامعین! مجھے اس سے انکار نہیں کہ موجودہ دور علم و حکمت کا دور ہے، تحقیق و اکتشاف کا دور ہے، یہ علم و حکمت کی ترقی ہی تو ہے کہ انسان چاند پر پہنچ چکا ہے اور مریخ پر کمندیں ڈال رہا ہے، طب و جراحت کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ مرضِ دائم کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے، خود ہمارے ملک میں نئی نئی تعلیم گاہیں کھل رہی ہیں، اسکول کالجوں میں اور کالج یونیورسٹیوں میں تبدیل ہو رہے ہیں، عصری و تکنیکی مراکز بھی کھولے جا رہے ہیں، تعلیم کے نئے نئے فارمولے اپنائے جا رہے ہیں، لیکن اس حیرت انگیز اور ہوش ربا ترقی کے باوجود آج کا انسان جاہل ہے، کرپشن کی بڑھوتری، فساد میں اضافہ اور تعیش پسندی کا بحران اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، ہماری اپنی غفلتوں اور اربابِ سیاست کی کوتاہ اندیشیوں سے ملک پر ایک ایسا نظامِ تعلیم و تربیت مسلط ہے جو اپنے گوناگوں مضامین و مشاغل اور مصروفیت کے ذریعہ طلبہ کے اندر اخلاق و کردار سے بے نیازی، ذمہ داریوں سے فرار اور مادی ترقی کا حرص و جوع البقر پیدا کرتا ہے۔

دوسری طرف ہمارے دینی مدارس ہیں جو بلاشبہ علم و ہدایت کے علمبردار اور تیرہ و تار ماحول میں روشنی کے مینار رہے ہیں، لیکن اب وہ بھی اپنی بے حسی، اغراض سے رقابت، باطل سے مرعوبیت، دینی حمیت سے محرومی اور گروہی و مسلکی اختلافات کا شکار ہو کر مفلوج ہو چکے ہیں۔ ان مدارس سے فارغ طلبہ باطل افکار و نظریات سے عدم واقفیت اور احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دین کا وہ اصل کام نہیں کر پاتے جس کے لئے امت وسط کی بعثت ہوئی ہے، اور جسے قرآن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بلاشبہ ان سب مدارس کی خدمتیں اپنی جگہ اہم ہیں، اور لائق اجر و ثواب بھی، لیکن طلبہ کے اندر باطل قیادت سے پنجہ آزمائی کی طاقت، غلط افکار کا رخ موڑ دینے کی قوت، اور اللہ کی راہ میں مسلسل جہاد کرنے کا عزم بحمداللہ جامعۃ الفلاح ہی نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں اس پر بجا طور پر فخر ہے اور اللہ کا شکر بھی کہ ہماری مادر علمی کا مقصد وجود اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس کی آغوش تربیت سے نکلنے والے افراد اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی پوری طرح مسلح ہوں، وہ دینی و فقہی مسائل پر جدید انداز میں گفتگو کر سکیں، ملک کے سیاسی و معاشی، اخلاقی و تمدنی نیز دیگر مسائل کو قرآن کی روشنی میں سلجھا سکیں، اپنی طاقت و صلاحیت اور اپنے ذرائع و وسائل کے مطابق دین کی سربلندی کے لئے ہمہ آن تیار رہیں۔ اس عظیم نصب العین کے حصول میں جامعہ کو کہاں تک کامیابی ہوئی ہے اس کا فیصلہ آپ خود کریں گے، لیکن یہ بات ہم بلاخوف لومۃ لائم کہتے ہیں کہ اس قلیل مدت میں جامعہ نے ایسے افراد مہیا کئے ہیں جو ملک و ملت کی کسی نہ کسی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہونے والا ہر طالب علم باطل افکار و نظریات سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے غلبہ دین کیلئے سرگرم عمل ہے۔

محترم سامعین! ضرورت اس بات کی تھی کہ ان منتشر شیرازوں کو جمع کیا جائے، تاکہ ملت کی خدمت اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کا یہ عظیم کام اجتماعی طور سے اور اعلیٰ پیمانے پر ہو، اور تاکہ فارغین کی آواز میں وزن اور اعتماد پیدا ہو سکے یہی وہ مقدس اور عظیم نصب العین تھا جس کے تحت ۱۳ر۱۴ر نومبر [illegible] کو ہماری تنظیم انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کے نام سے عمل میں آئی۔ حضرت مولانا ابواللیث صاحب ندوی مدظلہ العالی کی رہنمائی میں دستور مرتب کیا گیا، اور یوں یہ قافلہ تلاش منزل کیلئے چل نکلا۔

جہاں ہماری تنظیم کا مقصد فارغین جامعہ کو ان مقاصد کے حصول کے لئے منظم کرنا اور ان کی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ مفید و موثر بنانے کی راہیں اور تدابیر تلاش کرنا ہے، وہیں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اپنی مادر علمی کی تعمیر و ترقی میں ہر قسم کا تعاون برابر پیش کرتے رہیں، اس لئے کہ درسگاہ اور اس گہوارۂ علم و فن میں پرورش پانے والے افراد کے مابین ایک نہایت مقدس اور اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے اور یہ رشتہ اس کے سپوتوں کے نزدیک جی جان سے بڑھ کر عزیز ہوتا ہے، پھر اس دانش کدہ نے دوسری درسگاہوں کی طرح ہمیں صرف قال اللہ و قال الرسول کا وظیفہ ہی نہیں دیا، چند محدود عقائد اور عبادات کی تعلیم ہی نہیں دی، اور مسجدوں اور خانقاہوں پر بس کرنے کی راہ نہیں دکھائی، بلکہ اس نے ہمیں اسلام کی خدمت اور خدا کی خوشنودی کے حصول کی تڑپ بخشی، اقامت دین کا درس دیا، باطل طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار کیا، غلط افکار و خیالات کے تیرہ و تار ماحول میں قرآن و سنت کی روشنی بخشی، ہمیں سیماب صفت بنایا اور اسلام کو لیکر پوری دنیا پر چھا جانے کا ولولہ

عطا کیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم اپنی اس محسن دانش گاہ کو فراموش کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے جامعۃ الفلاح کو اپنا سمجھا، اس کی ترقی و کامرانی کو اپنی زندگی کا ایک جزو بنا لیا۔ ہمارے ساتھی چاہے علیگڑھ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں، یا جامعہ میں، دوسرے مرکز جماعت دہلی میں ہوں یا مدینہ یونیورسٹی کے کسی کتب خانہ میں، ہندوستان کے کسی ادارے میں تدریس میں مشغول ہوں، یا صحرائے افریقہ میں تبلیغ و اصلاح میں، ہر جگہ، ہر حالت میں، ہر مجلس میں، جامعۃ الفلاح کی ترقی و بہبود کے چرچے ہوتے ہیں، طلبہ کی اخلاقی و تعلیمی حالت زیر بحث ہے۔ جامعہ کے وسیع اثرات اور اس کی بڑھتی ہوئی شہرت پر خوشی کا اظہار ہو رہا ہے اور آئندہ اس کی مزید ترقی کے لئے خاکے تیار ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہر نازک موڑ پر جب جامعہ کی مدد کی، ذمہ داران کی خدمت میں تجاویز اور مشورے پیش کئے اور ہر ممکن تعاون کا انہیں یقین دلایا۔

اب انجمن کی دو سالہ رپورٹ مختصر طور پر گوش گذار کرتا ہوں تاکہ سمع خراشی کی نوبت نہ آنے پائے۔ پھر اس وقت چونکہ انجمن کے ذمہ داران، کارکنان، اور ہمدردان سبھی موجود ہیں، اس لئے حالِ دل پیش کر دینے میں امر مانع نہیں۔

آ میر جمع ہیں احباب، حالِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے!

رکنیت

جامعۃ الفلاح نے ملت کو اب تک ۱۵۲ افراد علم و عمل سے لیس کر کے دیئے تاکہ وہ ہر محاذ پر ملت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ ان میں باقاعدہ فضیلت کی سند حاصل کرنے والوں میں ۱۳۲ ہیں اور بقیہ بیس تعداد ان طلباء کی ہے جو باقاعدہ فضیلت پاس نہ کر سکے، بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے عالمیت ہی کی سند لے سکے۔ اس طرح اگر تمام فارغین انجمن سے دلچسپی اور لگاؤ کا اظہار کرتے تو ۱۵۲ ممبر بن سکتے تھے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انجمن کی تعمیری سرگرمیوں سے ہمارے احباب نے خاطر خواہ دلچسپی کا مظاہرہ نہ کیا، پھر آپس میں ربط کا سلسلہ بھی نہ رہ سکا جس کی وجہ سے صرف ۵۰ احباب انجمن کے باقاعدہ ممبر بن سکے، لیکن مستقبل میں ہمیں ان سے کافی توقعات وابستہ ہیں۔

مایوس نہ ہوں ان سے اے رہبرِ فرزانہ!
کم کوش تو ہیں، لیکن بے ذوق نہیں راہی

آرگن کا اجراء

معزز مہمانانِ گرامی اور طلبہ دوستو! ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہندوستان کی موجودہ صحافت نے ملک و ملت کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ سطحی اور جذباتی صحافت، سوقیانہ تحریریں اور خیالی ادب، کلچر و ثقافت کے نام پر بازاری حسن و جمال کی نمائش ہی نے موجودہ ذہنوں کو مسموم اور آلودہ کر دیا ہے۔ مسلم اخبارات و جرائد کا جائزہ لیجئے، معدودے چند کو چھوڑ کر سارے ہی اخبارات ملت فروشی کا کام کر رہے ہیں، ان میں سے کوئی کمیونزم کا راگ الاپتے نہیں تھکتا، کوئی بازارِ حسن و عشق کے تقاضے پیدا کرنے میں لگا ہوا ہے، کوئی شرک و بدعت کے پرچار میں مصروف ہے، کسی کو ساری دنیا کی بھلائی اور سارے مسائل کا حل خانقاہیت میں نظر آتا ہے اور کسی نے اپنا نصب العین تحریک کی مخالفت بنا لیا ہے۔ آج ہندوستانی اخبارات و جرائد کی طویل فہرست میں ایسے اخبار آپ کو معدودے چند نظر آئیں گے جو ملت اسلامیہ کو اس کا نصب العین یاد دلائیں، ایسے

کی عظمتِ رفتہ اور اس کا کھویا ہوا وقار واپس دلانے کی فکر کریں، زمانے کی رنگ میں رنگنے اور ہوا کے رخ پر بہنے کے بجائے "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز" کی تعلیم دیں۔ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی مجلس شوریٰ نے یہ محسوس کیا کہ ملت و ملک کو اصولی صحافت سے روشناس کرانے اور اسلام کے متعلق اور تحریک کے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے نیز طلبہ و نوجوانوں کو اسلام کے گرد اکٹھا کرنے کے لئے ایک آرگن کا اجراء ضروری ہے، جو انجمن کے ارکان میں باہمی رابطہ کا کام دے گا، فارغین جامعہ کی تصنیفی صلاحیتوں کو تحریک اقامت دین کے لئے استعمال کر سکے گا، اور ہماری صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنے کے ساتھ ہی ملک و ملت کے سامنے ہماری واضح تصویر بھی پیش کر سکے گا، اس طرح دین و ملت کی خدمت کے ساتھ مادر علمی کی نیک نامی اور شہرت کا ذریعہ بن سکے گا۔

لیجئے، جنوری ۸۹ء کو حیاتِ نو اپنے تمام مقاصد اور مندرجات کی تب و تاب کے ساتھ افقِ صحافت پر ضوفشاں ہوا، وسائل و ذرائع کے فقدان کی وجہ سے گرچہ یہ شمارہ ہم نے سائیکلو اسٹائل سے نکالا لیکن فلاحی برادری نے اس کو کافی پسند کیا۔ برادر عبید اللہ فہد فلاحی اپنی شب و روز کی محنت سے یہ رسالہ وقت پر نکالتے رہے، ہم ان کے ممنون و مشکور ہیں۔ پھر ۱۴، ۱۵ اکتوبر ۸۹ء کو شوریٰ کے اجلاس میں یہ بات طے ہوئی کہ اب "حیاتِ نو" زیورِ طباعت سے آراستہ ہوگا، اور اس کے لئے ادارتی کمیٹی بھی تشکیل دی گئی تاکہ یہ رسالہ باقاعدگی کے ساتھ جاری رہ سکے۔

معزز حضرات! اس راہ میں ہمیں کن کن مسائل اور دشواریوں کا سامنا ہوا، اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے والے رفقاء عطا کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہ فلاحی ساتھی حیاتِ نو کو اپنی امیدوں اور تمناؤں کا مرکز مانتے ہیں، رضاکارانہ طور سے انہوں نے اس کے لئے اپنے قیمتی اوقات صرف کئے، وقت آیا تو مالی تعاون سے بھی گریز نہ کیا، ہم ان کے تہ دل سے شکر گذار ہیں۔ اس موقع پر اگر اساتذہ کرام اور مسلمانانِ بلریا گنج کا تذکرہ نہ کیا جائے تو بڑی ناسپاسی ہوگی، انہوں نے اپنے قیمتی مشورے اور ہر قسم کا تعاون ہمیں مرحمت فرمایا، ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ سے مزید توفیق کے طلب گار ہیں۔

معزز سامعین! بات چل رہی تھی حیاتِ نو کی، ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں، یہ تو فیصلہ آپ کریں گے لیکن ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ عدم وسائل کے باوجود ہم نے قابلِ لحاظ ترقی کی ہے اور اب تک پوری پابندی سے حیاتِ نو شائع کرتے رہے۔ اگر آرگن کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا تو ان شاء اللہ ایک دن یہ آسمانِ صحافت پر نیرِ تاباں بن کر ابھرے گا، اور صحیح معنوں میں مادرِ علمی کی حیاتِ نو کا باعث ہوگا۔

گوشوارہ آمد و خرچ

کسی بھی تحریک یا انجمن کیلئے اس کی مالی حالت بہت ہی اہم ہوا کرتی ہے۔

اس دو سال کے اندر جمع کی گئی زیادہ تر رقم خصوصی اعانتوں اور حیاتِ نو کے سالانہ زرِ تعاون کے ذریعہ حاصل کی گئی ہے۔ جبکہ انجمن کے مصارف کے لئے ہمارے فلاحی دوستوں کا تعاون بے حد ضروری تھا، مگر مجھے بہت

بقیہ صفحہ

اشتیاق دانش فلاحی
(علیگڑھ)

آئیے!
پندرہویں صدی ہجری کا استقبال کریں

پندرہویں صدی کو اسلام کی صدی بنانے کی تیاریاں مسلسل جاری ہیں اور اس کے استقبال کی دو سالہ تقریبات کا آغاز تو بہت پہلے ہی ہو چکا ہے۔ آئندہ صدی کو قرن اسلام بنانے کی سعی و کوشش اور سرگرمیوں کے تجزیہ سے قطع نظر یہ بات نکھر کر سامنے آ گئی ہے کہ اسلام مخالف قوتیں دنیائے اسلام کے اندر کوئی بھی بیداری خاموش تماشائی کی طرح دیکھ نہیں سکتیں۔ حرم شریف پر چند شرپسندوں کے غاصبانہ قبضہ کی جرأت اور افغانستان میں روسی کمیونسٹوں کی فوجی مداخلت اس نقطۂ نظر کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بات بھی یقینی ہے کہ متحدہ کوششوں اور حکمت و دانائی کے بغیر اپنے مقصد کو حاصل کر لینا ممکن نہیں ہے۔ ان واقعات میں ان لوگوں کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے جو آئندہ صدی کو قرن اسلام بنانے کی فکر میں ہیں۔

پندرہویں صدی کو اسلام کی صدی بنانے کے سلسلے میں دنیائے اسلام کے بعض مفکرین اور دانشوروں کی تجویزیں سامنے آ چکی ہیں اور مزید تجویزوں کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ اور سب سے ٹھوس قدم تو ترکی میں ہونے والی کانفرنس کو اٹھانا ہے۔ تاہم ملی سلامت پارٹی کے رہنما پروفیسر اربکان، فاضل ثقافتی دانشوران کے برعکس اور پاکستانی دانشور نعیم صدیقی کی درج ذیل تجاویز قابل قدر بھی ہیں اور قابل عمل بھی۔

پروفیسر اربکان کا نکتۂ اول یہ ہے کہ تمام اسلامی برادری یکمشت ہو کر اپنے مفاد اور تعمیر و ترقی کے لئے کام کریں۔ (پروفیسر صاحب کا مقصود وہی ہے جو نعیم صدیقی کے الفاظ میں مسلم اقوام متحدہ کا ہے)

ان کا نکتۂ دوم یہ ہے کہ مسلم ماہرین اقتصادیات اسلامی دنیا کی صنعت و تجارت کو فروغ دینے کے لئے ایک کامن مارکیٹ بنائیں جو مسلمان ممالک کے مابین تجارتی تعلقات کو مضبوط بنانے اور صنعتیں لگانے کا کام کرے۔

جناب اربکان کا نکتۂ سوم یہ ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ اپنا مشترکہ سکہ اسلامی دینار کی صورت میں جاری کریں۔

آخر میں پروفیسر صاحب کا نکتۂ چہارم یہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی ملکوں کا ایک مشترکہ دفاعی نظام ضروری بھی ہے اور بے حد مفید بھی۔

پروفیسر صاحب کا پانچواں تجزیہ یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک، قومی بنیادوں پر بھی ثقافتی بنیادوں پر بھی ثقافتی تعلقات استوار کریں، یہ چیزیں باہمی تعلقات کو مضبوط و مستحکم ثابت کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

مشہور قانون داں اے کے بروہی کی تجویزیں کافی فکر انگیز ہیں:

۱۔ اسلامی ہجری کیلنڈر کی تجویز۔

۲۔ اسلامی اٹلس کی تیاری۔

۳۔ جدید اسلامی دنیا کے نام سے موجودہ اسلامی دنیا کے احوال و کوائف پر ایک کتاب کی تدوین۔

عظیم دانشور نعیم صدیقی نے اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کافی تفصیل سے کیا ہے۔ چند اہم نکات یہ ہیں:۔

۱۔ ایک جامع معیاری تاریخ مجددین و احیائے دین کی ترتیب و تدوین،

۲۔ تاریخ تبلیغ اسلام لکھی جائے۔

۳۔ توحید کے سیاسی تصور پر مبنی ایسی ہیئت ہائے حاکمہ کو تشکیل دینا جو خدا کی حاکمیت، قانون شریعت کی بالاتری اور اصول شوریٰ کی آئینہ دار ہوں، قطع نظر اس سے کہ ان کے ظاہری تنظیمی ڈھانچے کیسے بھی ہوں اور مقامی ضروریات کے لحاظ سے آپس میں کسی قدر مختلف بھی، اساس اور اسپرٹ سب کی ایک ہونی چاہئے، اس سلسلے کے تحت جہاں جہاں نظام رائج میں رد و بدل کی ضرورت ہو، تدریجاً اسے عمل میں لایا جاسکے،

۴۔ شریعت کے دیئے ہوئے اساسی حقوق کا ایک چارٹر مرتب کیا جائے اور ان حقوق کی بہم رسانی اور ان کے تحفظ کی ہر حکومت ضمانت دے سکیں

۵۔ غیر اسلامی نظریات، تحریکات اور تقاضوں سے مسلمان کو نجات دلانے کا فیصلہ کیا جائے اور اس کے لئے ضروری نکات پر مشتمل ایک متفقہ لائحہ عمل طے کیا جائے۔

۶۔ یہ فیصلہ ہو کہ دنیا میں کسی مسلمان کو ضروریات زندگی سے محرومی کا شکار نہ ہونے دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ایک مرکزی فنڈ بھی ہو جس میں سے حسب ضرورت کسی خاص علاقے میں کوئی مدد بہم پہنچائی جائے۔

۷۔ اتحاد عالم اسلامی کے لئے ایک بڑا اقدام یہ کیا جائے کہ فی الحال اقوام متحدہ میں رہتے ہوئے "مسلم اقوام متحدہ" یا "مسلم بلاک" کے عنوان سے اقوام متحدہ سے وابستہ مسلم ممالک کی تنظیم کی جائے۔ یہ تنظیم اقوام متحدہ میں مسلم نمائندوں کو ایک طرز عمل پر چلائے۔

۸۔ مسلم بلاک سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے لئے چند یونیورسٹیاں، تجربہ گاہیں اور لائبریریاں قائم کرے مختلف ممالک میں ضرورت کی چھوٹی بڑی صنعتیں لگائے خاص طور پر جدید ترین سامان جنگ بنانے کے کارخانے شروع کرے کسی نہ کسی طرح کا دفاعی تعاون بھی ہونا چاہئے، اس مقصد کار پر کام کرنے کے لئے اپنے سرمایوں کی تنظیم نو کے لئے اسلامی نظام بینک کاری کا قیام بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کی اپنی مضبوط پیمانہ پر بینکنگ اور شپنگ کی ہونی چاہئے۔ بدقسمتی سے کئی سال ہوئے ایک وقیع نیوز ایجنسی کی تجویز بھی پوری طرح رو بعمل نہیں آسکی، اب ایک قطعی فیصلہ کرکے زوردار مہم شروع کرنی چاہئے۔

۹۔ مسلم اقوام متحدہ یا مسلم بلاک کی ایک بھاری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مختلف ممالک میں بسی ہوئی مسلم اقلیتوں کو بچائے۔

یقیناً ان تجویزوں کو بروئے کار لانے سے عظمت رفتہ کی بازیابی کی راہوں کو کھولنے میں مدد ملے گی۔ ——

اسلام پسند طلبہ و نوجوانوں کو بھی اس سلسلے میں غور کرنا ہے کہ آئندہ صدی کو قرنِ اسلام بنانے کے لئے انہیں کیا رول ادا کرنا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم بات تو یہ ہوگی کہ دنیا کے تمام اسلام پسند طالب علم رہنماؤں کی ایک نمائندہ کانفرنس ہو جو یہ طے کرے کہ ملت کے رہنماؤں کے پیشِ نظر جو کام ہے اس میں وہ کس طرح تعاون دے سکتے ہیں بزرگوں کے خوابوں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے انہیں کیا رول ادا کرنا چاہئے تاکہ پندرہویں صدی حقیقی معنوں میں اسلام کی صدی بن سکے۔

یہ نمائندہ کانفرنس جن امور پر غور و فیصلہ کرے گی، ان میں سے ایک تعلیمی کمیٹی کی تشکیل بھی ہو۔ اس کے دو جز ہوں۔ ایک کا دائرہ کار تو مسلم ممالک ہوں گے اور اس کمیٹی کا کام یہ ہوگا کہ مسلم ملکوں کے نظامِ تعلیم کا جائزہ لیکر اور ہر ملک کی وزارتِ تعلیم اور سربراہِ ملک سے مل کر اسے اسلامی نظامِ تعلیم بنانے کے لئے اپنی تجاویز ان کے سامنے پیش کرے اور تجویزیں پیش کر دینے سے ظاہر ہے کچھ نہ ہوگا اس کے لئے منظم طور پر کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

دوسرے جز کا دائرہ کار غیر اسلامی ممالک ہوں گے، اس کا کام یہ ہوگا کہ نصاب و نظامِ تعلیم کا بغور مطالعہ کرے اور ان میں سے اسلام کے متعلق غلط باتوں اور واقعات کو خارج نصاب کرنے کی تگ و دو کرے، وزارتِ تعلیم اور سربراہانِ ملک سے مل کر اپنے خیالات و مقاصد کا اظہار کرے اور انہیں یہ یقین دلائے کہ ہم صرف اسلام کی بین الاقوامی حقانیت کو واضح کرنا چاہتے ہیں اور آپ اپنے نصابِ تعلیم کے ذریعے طلبہ کے ذہنوں میں اسلام سے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں، اس کا خاتمہ چاہتے ہیں۔

ایک اتحاد کمیٹی کا قیام بھی نہایت ناگزیر ہے جس کا مقصد تمام مسلم ملکوں کو متحد کرنا ہوگا۔ یہ کمیٹی مسلم ملکوں کے سربراہوں سے مل کر ان پر یہ واضح کرے گی کہ اب آپ کی باہمی نااتفاقیاں ہمیں منظور نہیں ہیں۔ ہم آپ سے صرف اتحاد کے خواہشمند ہیں۔

ایک جائزہ کمیٹی بھی تشکیل دی جائے جس کا مقصد دنیا کے مختلف حصوں میں چلنے والی اسلامی طلبہ تحریکوں اور ان کے پروگرام کا تجزیہ کرے اور ہر ملک کے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر ایک مشترکہ بنیادی پروگرام اور مشترک لائحہ عمل، مختلف ملکوں کے حالات کے پیشِ نظر اختلاف کی بھی گنجائش ہے، اختیار کرے اور ان کی جدوجہد اور سرگرمیوں میں جس حد تک یکسانیت و ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔

یہ کمیٹی مختلف ملکوں کی طلبہ تنظیموں کے درمیان تعاون علی البر کی راہیں بھی دریافت کرے گی اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایک بین الاقوامی اسلامی فنڈ کا منصوبہ بھی بنائے گی اور ممکن طریقوں سے ان کی مدد کرے گی۔

ایک تحقیقی ادارہ بھی قائم کیا جائے جو چودھویں صدی کا صدی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اٹھنے والی تحریکوں کا ہر پہلو سے جائزہ لیکر ایک جامع تاریخ مدوّن کرے۔ مختلف ممالک میں تحریک اسلامی کی بنا ڈالنے والے خصوصاً طلبہ و نوجوانوں میں اسلامی اسپرٹ بیدار کرنے والوں اور طلبہ تنظیمیں قائم کرنے والے کے احوال و کوائف پر مشتمل ایک جامع "تاریخ" کی سخت ضرورت ہے۔ اس تحقیقی ادارے میں مسلم اسکالر، ادیب، صحافی اور مصنف بھی تیار کئے جائیں تاکہ یہ فنکار غیر اسلامی ادب کی بہ نسبت بہتر ادب کی تخلیق کر سکیں اور ان کا قلم اعلیٰ اخلاق و کردار کی ترجمانی کرے۔

جہاں تک ممکن ہو سکے پندرہویں صدی کے پہلے

ہفتے یا مہینے میں ہر ملک کی اسلامی طلبہ تنظیمیں خصوصی تقریبات کا اہتمام کریں۔ ان تقریبات کا اولین مقصد اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اور تنظیمی رشتہ کی اصلاح ہو۔ نیز اپنے مقامی حالات کا جائزہ لیکر اصلاح معاشرہ کی مہم کے منصوبے بنائے جائیں اور طلبہ تک اپنی دعوت پہونچانے کے لئے خصوصی پروگراموں کا انعقاد کیا جائے۔

بھارت میں اسلام کے لئے جدوجہد کرنے والی ہر تنظیم کے نمائندوں کی ایک میٹنگ میں ایک مشترک پروگرام اور مشترک لائحہ عمل کی تلاش کی جائے۔ باہمی تعاون کے مختلف گوشوں اور ذرائع کی دریافت بھی بے حد مفید ہوگی۔

بیرون ہندوستان کے سرگرم اسلامی کارکنوں کی ایک میٹنگ کال کی جائے جس میں اس عہد و میثاق کی تجدید کے ساتھ جو اس نے اسلامی تحریک سے وابستگی کے وقت کیا تھا، مختلف امور مختلف کمیٹیوں کے حوالے کر کے ان کے مشورے طلب کئے جائیں اور پھر ان مشوروں کی روشنی میں ایک جامع منصوبہ کی تشکیل ہو جو سب کے لئے بنیادی رہنما اصول کی حیثیت سے قابل قبول ہو۔

اسلامی صحافت کو ترقی دینے کے لئے منصوبہ سازی کی جائے جو لوگ انفرادی طور پر یہ کام کر رہے ہیں اور ان کا مقصد ایک ہی ہے یعنی اسلامی افکار کو فروغ دینا اور اس کے جاودانی پیغام کو لوگوں تک پہونچانا انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور اس کے علاوہ نئے سرے سے ایک اسلامی صحافتی ایجنسی کی بھی کوشش کی جائے۔

اردو کے علاوہ دوسری مشہور ہندوستانی زبانوں میں بھی اسلامی صحافت کو مستحکم کیا جائے خصوصاً انگریزی و ہندی میں ایک معیاری روزنامہ کے لئے غور کا فیصلہ اقدامات کی ضرورت ہے۔ اگر مختلف اسلامی تنظیموں چاہیں تو اپنے اندر سے اپنے سرمایہ کے بل پر باصلاحیت افراد کو اس مقصد کے لئے آگے بڑھا سکتی ہیں جو اس مقصد کے لئے غور و فیصلہ کریں گے مختلف تنظیموں کے نمائندوں پر مشتمل اس کمیٹی کا کام یہ بھی ہوگا کہ اسلامی اخبار و رسائل کی مالی پوزیشن درست کرنے کے لئے ذرائع و وسائل کی تلاش پر بھی زور دے۔

ایک ایسا مرکزی ادارہ قائم ہو جس سے اہم مقامات پر باصلاحیت نامہ نگاروں کا انتظام کیا جائے اور کسی ایسے ہر جہتی خبر رساں ذریعے کی تلاش ہو کہ اس سے تمام اخبار و رسائل بہ آسانی استفادہ کر سکیں۔ نامہ نگاروں کے انتخاب میں یہ امر ملحوظ رہے کہ وہ کسی بھی واقعہ کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

اس طرح تجویزوں کا دائرہ اور بھی وسیع ہو سکتا ہے مگر فی الواقع پندرہویں صدی کو اسلام کی صدی بنانے والوں کے لئے سب سے پہلے لازمی بات یہ ہے کہ ہم اپنی سوچ کی رو بدل دیں اور اپنی زندگی سے لایعنی دلچسپیوں کو خارج کر دیں پھر یقین جانئے کہ ان تجویزوں اور منصوبوں کی روشنی میں ہم ہمہ گیر تعمیری و اسلامی انقلاب کی طرف گامزن ہو جائیں گے۔

ابوالمجاہد زاہد

نیشنلسٹ مسلمان

یہ نیشنلسٹ مسلمان بھی ہیں ایک عجب ٹولی یارو
ہے عام مسلمانوں سے الگ ان کی بولی بھی یارو
یہ فرقہ جو معتبر حال ہیں
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

کچھ شیخ غرض کے ہیں دلدادہ منصب کے دیوانے
کچھ بھولے بھالے فرزانے کچھ عشرت میں کچھ دیوانے
سب ہی کے گرویدہ نگاراں ہیں
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

کچھ دولت کے برخوردار بھی ہیں کچھ منصب سرکار بھی ہیں
کچھ آر ایس ایس کے یار بھی ہیں جن ہی کے رشتہ دار بھی ہیں
گھر گھر جھگڑے کا سامان ہیں
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

کچھ سرد و گرم چشیدہ ہیں، کچھ گرگ باراں دیدہ ہیں
کچھ کرسی کے شیدائی ہیں کچھ کرسی کے گرویدہ ہیں
کچھ جسم کرم کے خواہاں ہیں
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

کچھ اپنے ظرف کے تاجر ہیں کچھ اپنے ضمیر کے بیوپاری
سرکار سیاسی پر کرتے ہیں ہمبار سی!
کچھ شہدا ہیں کچھ مداری
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

کچھ اپنے مسلماں ہونے پر کھلم کھلا پچھتاتے ہیں
اپنے اسلامی ناموں پر شرماتے ہیں کھسیاتے ہیں
اور پھر بھی صاحب ایماں ہیں
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

بس ایک یہی ہیں یار وطن، ہمدرد وطن، غم خوار وطن!
اور باقی جتنے مسلماں ہیں وہ سب کے سب غدار وطن
یہ اپنے ہی ثناخواں ہیں
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

ویسے تو بڑے باتونی ہیں اور زور تقریر دکھاتے ہیں
جب ملت پر افتاد پڑے تو بہرے گونگے بن جاتے ہیں
جیسے پتھر کے انساں ہیں
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

جب سر پہ الیکشن آتا ہے ہنگامے خوب مچاتے ہیں
پھر کوئی نظر بھی آن پڑے تو اپنی شکل دکھاتے ہیں
سوڈا واٹر کا طوفاں ہیں
یہ نیشنلسٹ مسلماں ہیں

نواب محمد صابر قلی خاں
(نواب صاحب محمد گڑھ)

وقت کا اہم تقاضہ

گزشتہ دو صدیوں سے پوری دنیا میں مسلمان جس سیاسی اور اقتصادی زوال میں گرفتار تھے اس نے انہیں من حیث الجماعت شدید احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا تھا اس آزمائش و ابتلاء کے دور میں ملتِ اسلامیہ دو طرح خطرناک دھاروں سے ہمکنار رہی۔ ایک طرف مغربیت، دہریت، اشتراکیت اور دیگر گمراہ کن نظریات سے مرعوب اور خود اپنی اسلامی میراث اور سرمایۂ حیات و نجات سے بے بہرہ برائے نام مسلمان نما قومی لیڈران تھے جن کے ہاتھوں میں اسلامی دنیا کا اقتدار سونپ دیا گیا تھا اور جو اندھا دھند آمرانہ طریقوں سے اصلاحات کے نام پر ملتِ اسلامیہ کو دین و اخلاق و نظریاتِ اسلامی سے منقطع و منحرف کر رہے تھے تو دوسری طرف مسلم علماء و صلحاء تھے اور ان کے مدارس، دائرے اور تنظیمیں تھیں جو سخت ترین حالات کے درمیان اپنی جانوں تک کی قربانیاں پیش کر کے اسلام کا دفاع کر رہے تھے اور عامۃ المسلمین کو دین و نظریاتِ اسلامی سے وابستہ رکھنے کی جدوجہد میں مصروف تھے اس معرکۂ حق و باطل کے نتیجہ میں بالآخر تاریخ کا وہ موڑ آگیا جبکہ مغربیت، دہریت، مادیت اور اشتراکیت کا کھوکھلا پن دنیا پر عیاں اور عوام الناس کو محسوس ہونا شروع ہوگیا اور اسلام کا آفتاب عالمتاب پھر افق سے برآمد ہونے لگا۔

آج ہم تاریخ کے اسی فیصلہ کن مرحلہ سے گزر رہے ہیں آفتابِ اسلام کی چند کرنوں ہی کی روشنی نے دنیا کے ہر انسان کو چونکا دیا ہے اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے اور وہ اسے جاننے اور سمجھنے کا بھی بے خواہشمند ہے خاص طور پر تعلیم یافتہ نوجوان اسلام کی حقیقت و حقانیت سے واقف ہونے کیلئے زیادہ بیتاب ہیں اس وقت اسلام مخلص خادموں کا فرض ہے کہ اسلام کا صحیح تعارف پیش کرنے کی ذمہ داری پورے گہرے احساس کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کریں۔ اس فرض کی ادائیگی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہر شہر اور قصبہ میں اہتمام کیساتھ اچھے اسلامی دارالمطالعہ یا کتب خانے قائم کئے جائیں جن میں اردو، ہندی، انگریزی اور علاقائی زبانوں میں اسلام سے متعلق بہترین کتابیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع کی جائیں اور اسلامی تحریکوں اور تنظیموں کے ملکی و غیر ملکی جرائد، رسائل و اخبار ان سب کو عوامی مطالعہ کیلئے وقف کیا جائے یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ہر شہر اور قصبہ کے مسلم عمائدین

بقیہ صفحہ ۳۵

اسعد اسماعیلی (فاضل دیوبند)

کھلا خط...

مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلماء کے نام

محترم المقام حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں میرا تعلق سنبھل کے اس قدیم علمی خانوادے سے ہے جسے آپ کے عظیم المرتبت والد صاحب کا شرف ارادت حاصل ہے۔ ارادت اور نیازمندی کا یہ تعلق اس خاندان کو تین پشتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ نیازمندی کا یہی واسطہ مجھے امید دلاتا ہے کہ یہ میری مختصر معروضات آپ یقیناً توجہ سے ملاحظہ فرمائیں گے اور ان کے سلسلے میں کوئی تسلی بخش معقول وضاحت ضرور فرمائیں گے جس سے مجھ سمیت ہزاروں لاکھوں لوگوں کے شکوک و شبہات دور ہو سکیں گے۔

دار العلوم میں زمانہ طالب علمی کے دوران کئی بار ایسا ہوتا تھا کہ نام کی مشارکت کے سبب میری ڈاک آپ کے یہاں چلی جاتی تھی اور میں وہ ڈاک لینے آپ کے پاس جاتا تھا۔ اس موقعہ جتنی شفقت و محبت کے ساتھ آپ مجھے بٹھاتے تھے، مجھ سے باتیں کرتے تھے اس کی یاد میرے دل پر نقش ہے اور مجھے امید ہے کہ میری یہ معروضات بھی آپ اسی شفقت سے سنیں گے۔

مولانائے محترم! مسائل امروز کے تحت آج ۲۶ ستمبر ۸۰ء میں نے روزنامہ "الجمعیۃ" کے شذرات بعنوان "عذر گناہ بدتر از گناہ" پڑھے مجھے نہیں معلوم یہ شذرات کس نے لکھے ہیں۔ ان شذرات میں طلبائے علیگڑھ کے اس نامناسب رویہ پر تنبیہ کی گئی ہے جس کا مظاہرہ انھوں نے آں محترم کے سامنے کیا تھا۔

اس تنبیہ کے ضمن میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان کے سلسلے میں اپنے کچھ شبہات دور کرنا چاہتا ہوں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ صرف میرے شبہات نہیں آج ہندوستان کے تمام ان ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے شبہات ہیں جو ۱۳ اگست ۸۰ء سے اب تک اپنے آنسو خشک نہیں کر پائے ہیں۔

مرادآباد کا سانحہ ہندوستانی مسلمانوں کا عظیم ترین سانحہ ہے اور ہم سے تقاضہ کر رہا ہے کہ ہم اپنے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر امت واحدہ بن جائیں۔ اگر آج یہ کام نہیں ہوا تو کب ہوگا؟ لیکن آج کا یہ شذرہ بتاتا ہے کہ آں محترم کو اتحاد ملت کے نظریہ ہی سے اتفاق نہیں ہے۔

میں نہیں سمجھتا ہے کہ جو نظریہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اور جناب سلیمان سیٹھ جیسے مفکرین و اکابرین ملت کو مطمئن کر سکتا ہے اس سے آپ کو اختلاف کیوں ہے؟
جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں آپ کو سنگھ ورشٹ میں جماعت اسلامی کی شرکت سے شدید اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی دو اہم وجوہ آپ نے بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ جماعت اسلامی کا آر۔ ایس۔ ایس سے اشتراک۔

۲۔ جماعت اسلامی کا صحابہؓ پر ناروا حملہ۔

میں سمجھتا ہوں کہ آر۔ ایس۔ ایس اور جماعت کے اشتراک عمل والی بات پر خود آپ بھی مطمئن نہیں ہیں کیونکہ آپ خود جماعت اسلامی پر مسلم فرقہ پرستی کا الزام لگاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جماعت آپ کے نزدیک صرف مسلم مفاد کی نگہبان ہے۔ اس نقطۂ نظر کی رو سے جماعت اسلامی اس ملک میں آر۔ ایس۔ ایس کی براہ راست حریف ہوئی۔ کیونکہ آر۔ ایس۔ ایس صرف ہندو مفادات کا نگہبان اور ہندو راشٹر یہ کا علمبردار ہے۔ دراصل واقعہ بھی یہی ہے۔ کیا آپ نے آر۔ ایس۔ ایس کے بالا صاحب دیورس کا وہ بیان نہیں پڑھا جس میں انہوں نے شیخ عبداللہ کے اس بیان پر بحث کی ہے جس میں جماعت اسلامی کو ملک دشمن کہا گیا ہے۔ آپ خود بھی سمجھتے ہیں کہ جماعت نے آر۔ ایس۔ ایس والوں کو تالیف قلب کی کوشش کی ہوگی تو ہندو راشٹر کے مفاد میں نہیں بلکہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے مفاد میں کی ہوگی۔ ملک کے تمام عوام اور آپ خود جماعت کے کردار سے واقف ہیں اور آر۔ ایس۔ ایس سے پیکٹ کی بات حلق سے اترنا آسان نہیں ہے۔

جہاں تک صحابہ کرام وغیرہ کو نشانۂ تنقید کا مسئلہ ہے، آپ خود بھی جانتے ہیں کہ اس قسم کے الزامات خود آپ محترم پر سنی جمعیۃ العلماء کی طرف سے لگائے جاتے ہیں اور کہیں زیادہ شدت کے ساتھ لگائے جاتے ہیں۔ یہ ہماری ملت کی بدقسمتی ہے کہ یہاں ذاتی اختلافات کے لئے مذہب کی آڑ لی جاتی ہے۔ لیکن بالفرض یہ الزام صحیح بھی ہو تو کیا کمیونسٹ پارٹی کے لوگ حضورؐ اور صحابہ کرام کو بالکل ہماری طے شدہ تشریح کے مطابق مانتے ہیں؟ یا کیا مسز گاندھی تمام اسلامی عقائد پر یقین رکھتی ہیں؟ اگر مسز گاندھی سے اشتراک عمل کے لئے کچھ مشترک بنیادیں ڈھونڈی جا سکتی ہیں تو کیا جماعت کے ساتھ اشتراک کی کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی؟ مسز گاندھی تو صرف یہ کہ صحابہ وغیرہ کو نہیں مانتیں بلکہ وہ سرے سے اسلام پر ہی یقین نہیں رکھتی تھیں کہ ۳۰ اپریل سنہ ۸۶ کو شواجی کے ۳۰۰ویں جنم دن پر کی گئی اپنی تقریر کے مطابق وہ اپنا ہیرو مسلمانوں کے قاتل شواجی کو مانتی ہیں۔ کیونکہ وہ باہری حملہ آوروں کے مظالم کے خلاف جد و جہد کی ایک علامت تھا پھر بھی آپ ان سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں اور جماعت سے آپ کو اس قدر نفرت ہے۔ مجھے بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ آپ نا ز انصاری اور کرنجیا جیسے کمیونسٹوں اور ملحدوں کو سر پر بٹھا لیتے ہیں اور جماعت والوں سے بات تک نہیں کر سکتے۔ کیا اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا مقتضی یہی ہے؟ آپ کا یہ رویہ مجھ سے نیاز مندوں کے لئے ناقابل توجیہہ ہے۔

مجھ جیسے نیاز مندوں کو توقع تھی کہ آں محترم مرار جی بھائی ڈیسائی کے پیش نظر کم از کم کانگریس آئی کی خاطر سیٹ بطور احتجاج واپس کر دیں گے۔ ویسے بھی اس سیٹ کے لئے خود آپ کو کوئی جد و جہد نہیں کرنا پڑی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جس طرح ابوالکلام کے مسٹر جناح نے غیرت کی

کا مطالبہ کیا تھا آپ بھی کریں گے اور اس ملک کی سربراہ سے یہ ضرور پوچھیں گے کہ نارائن پور کے واقعات پر تڑپ اٹھنے والی خاتون مرادآباد کیوں بھول گئیں؟ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ جب مسز گاندھی نے پارلیمنٹ میں P.A.C کی مذمت کرنے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ اس سے ان کی حوصلہ شکنی ہوگی تو آپ کے اخبار نے اس سے لفظاً لفظاً اتفاق کیا۔ مجھے افغانستان کے بارے میں بھی امید تھی کہ آپ کم از کم چند لفظ تو ان مظلوم مجاہدین کی ہمدردی میں ضرور لکھیں گے جو لاکھوں کی تعداد میں مارے جا رہے ہیں۔ اور انسانی حقوق کی دہائی دینے والی ہماری گورنمنٹ بہت معصومیت کے ساتھ اس کام میں سویت روس کا تعاون کر رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت حال میں برطانوی استعمار کے خلاف جد و جہد کرنے والے باپ کا بیٹا تڑپ اٹھے گا۔ اس کا ضمیر جاگ اٹھے گا اور چاندنی چوک کے چوراہے پر کھڑے ہو کر وہ کم از کم اتنا ضرور کہے گا کہ یہ لو پارلیمنٹ کی سیٹ میڈم اور مجھے اپنے بھائیوں کے لئے مرنے دو۔ مگر آپ وہاں بھی ایسے ہی خاموش ہیں جیسے آج مرادآباد کے خون پر ہیں۔ آپ ہر موقعہ پر مسز گاندھی کے ساتھ ہی کھڑے نظر آتے ہیں چاہے وہ طلباء علی گڑھ کا مسئلہ ہو یا ایمرجنسی کا، مسز گاندھی کی گرفتاری ہو یا افغانستان کا۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ میرے لئے ہمیشہ انتہائی محترم رہے ہیں لیکن آپ کا رویہ ہمیشہ میرے لئے ناقابل فہم رہا ہے۔ مسلمانوں کی ہر اجتماعی کوشش سے آپ کو اختلاف رہا ہے ہمیشہ آپ نے اپنا راستہ الگ بنایا ہے اور ملت کی ہر اجتماعی کوشش کو ڈائنامائٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔

چاہے وہ دینی تعلیمی کونسل ہو، مسلم پرسنل لاء بورڈ ہو، مسلم مجلس مشاورت ہو، کنونشن ہو یا مسلم یونیورسٹی کیلئے ریزرویشن داخلہ کرنے کا معاملہ ہو۔ میں اس سیاست کی مصلحت سمجھنا چاہتا ہوں اور میں ہی نہیں ملک کے لاکھوں نوجوان اس مصلحت کو جاننا چاہتے ہیں۔

طلباء علی گڑھ نے آپ پر انتشار پسندی کا الزام لگایا ہے۔ یہ وہ الزام نہیں دہراتا لیکن کیا یہ واقعہ نہیں کہ الجمعیۃ کے صفحات پر ملت کی تقریباً ہر جماعت کو رسوا کرنے کی کوشش کی گئی ہے چاہے وہ امارت شرعیہ ہو، اتحاد المسلمین ہو، مسلم لیگ ہو، تعمیر ملت ہو، جماعت اسلامی ہو، دارالعلوم کی انتظامیہ ہو حتیٰ کہ تبلیغی جماعت ہو۔ اگر آپ چاہیں تو میں بہت سی تحریریں پیش کر سکتا ہوں۔

ملت کا نوجوان گرم خون ہماری آخری امید ہے۔ اس کی حوصلہ افزائی ہمارا فرض ہے لیکن افسوس کہ آپ کی طرف سے اس کی بھی توہین کی گئی ہے۔ S.I.M. کے خلاف تجاویز منظور کرانا ملت کو کھلم کھلا افتراق کی راہ پر ڈالنے کی ایک کوشش تھی اور ستم یہ تھا کہ ایسی قرارداد کے ساتھ مسز گاندھی کے لئے اظہار تشکر کی قراردادیں بھی آپ نے مسجدوں کے اندر پاس کرائی تھیں۔

دارالعلوم دیوبند ہماری ملت کی عظیم ترین میراث ہے اس کے مہتمم حضرت مولانا قاری طیب صاحب مسلک دیوبند کے معتبر ترجمان ہیں، اور ان لوگوں میں ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ ان کا ایک علمی وقار ہے اور نصف صدی کی سربراہی کیلئے وہ موزوں ترین شخصیت ہیں لیکن آپ کو ان کا وجود بھی ناگوار لگتا ہے اور ان کے خلاف ایک ناروا مہم چلا دی گئی ہے۔ آپ دارالعلوم کے فرزند ہیں، دارالعلوم میں پے در پے کئی اشتعال انگیزیاں جو آپ کے عقیدت مندوں نے کی ہیں ان سے اندرون و بیرون ملک دارالعلوم کی کس قدر رسوائی ہوئی ہے، یہ دارالعلوم کی کون سی خیرخواہی تھی میں سمجھ نہیں

سکا۔

میں ذاتی طور سے واقف ہوں کہ ملت کے اکابرین
باتوں پر کتنے دکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ پر میں نے عالم اسلام کے ایک جلیل
مولانا مسیح اللہ خاں کو ٹھنڈی آہ بھرتے دیکھا ہے۔ حکیم الاسلام
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو افسردہ اور رنجیدہ
دیکھا ہے۔ شاہی امام عبداللہ بخاری کو غمگین و ملول اور
قائد ملت جناب سلیمان سیٹھ صاحب کی آنکھوں میں نمی
محسوس کی ہے۔ اتحاد المسلمین کے جناب اویسی صاحب یہ
مرحلہ پر دکھ میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس زخمی امت کے پاس
غیروں کے دیئے زخم بھی کیا کم ہیں جو آپ مزید اس کو زخم
دکھا رہے ہیں۔

دہلی جامع مسجد کے شاہی امام جناب عبداللہ بخاری کی ہر ترقی
[illegible] تمام ہے۔ آپ نے جو تنخواہ کے معاملہ کی
روایت بیان کر کے ان کی کوشش شروع کر دی ہے جب کہ جامعہ
وغیرہ سے آپ کا دور دور کا واسطہ بھی نہیں ہے خواہ مخواہ کی
دخل اندازی کی معقولیت مجھ سے نامعلوم ہے۔

مجھ جیسے نیاز مندوں کو تحریک ملت و ملت کے ترجمان
روزنامہ کا بھی شدید انتظار تھا کیونکہ پچھلے دو سالوں سے
زور و شور کے ساتھ چلائے گئے تھے جن میں زیادہ تر معاملہ
فرقہ وارانہ صورت حال میں آپ تیسرا راستہ اختیار کر رہے تھے اس
لیے شروع کا [illegible] ہیں کہ ترقی پسندی کی نظریوں
میں آپ کا اشتراک ہے مجھے آپ کا یہ رویہ زیادتی محسوس
ہوتا ہے آپ نہیں جانتے کہ اس صورت حال میں
مجھ جیسے نیاز مند عوام کے سوالات کا جواب دینے میں
کتنی پریشانی محسوس کر رہے ہیں۔

یہ صورت حال اگر جاری رہی تو خوف زدہ ہو کر مجھے
بے حد مجبور کر رہے ہیں کہ آپ کسی [illegible] ملت کے جوان
بوجھ کر منتشر ہو رہے ہیں تو یہ بات فطری ہے میں مانتا ہوں
کہ آپ سے ایسی بدگمانی کرنا قطعاً نامناسب ہے لیکن ہر ایک
نوجوان کو تو یہ بات سمجھائی نہیں جا سکتی۔

اس ساری صورت حال پر میں غور کرتا ہوں تو لگتا ہے
کہ آپ اپنے وجود کے سوا ہر چیز کی نفی کر رہے ہیں۔ میں
یہ نہیں مان سکتا کہ آپ بذات خود ایسے ہو سکتے ہیں آپ کو
یقیناً گمراہ کیا جا رہا ہے اور ان کے پیچھے جمعیۃ العلماء جیسی
تنظیم کو برباد کرنے کی ایک سازش ہے جسے نام نہاد انصاری
جیسے لوگوں کی معرفت بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

میں مراد آباد کے شہیدوں کا واسطہ دے کر آپ سے اپیل
کرتا ہوں کہ آپ ان خود غرض مشیروں کے چنگل سے نکل آئیے
جو آپ کی ذات کو، ملی اتحاد کو، اور جمعیۃ العلماء کو بے پناہ
نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے آپ کو مفتی عتیق
الرحمٰن عثمانی، امام بخاری، مولانا اخلاق حسین قاسمی اور
مولانا سید احمد ہاشمی جیسے مخلص ساتھیوں کی رفاقت سے
محروم کر دیا ہے اور دارالعلوم کے محترم اکابر کے سایہ شفقت
سے بھی اور ساتھ ساتھ مسلم عوام کے اعتماد سے بھی اور یہ
سب صرف چند سفید ٹوپی پہننے والے جن مشیروں کی قیمت پر۔

محترم المقام مولانا، ملت کے مشترک مفادات کے لیے
تمام مسلمانوں کے ذہن کو کدورت سے پاک صاف کر دیجئے۔ کیونکہ
یہ سب [illegible] زندگی بہت جلد ختم ہو جائیں گی اور ان کے ساتھ ہی
ان کی ذات سے وابستہ مفادات بھی رخصت ہو جائیں گے
لیکن یہ ملت ہمیشہ باقی رہے گی۔ ہم سب کو خدا کے حضور
[illegible] ایک عمل کا جواب دینا ہے۔

اس درد مندانہ اپیل پر اگر آپ نے توجہ فرمائی [illegible]
[illegible]
[illegible]

از ڈاکٹر احمد سجاد (رانچی)

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے

محترم مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے چند سوالات

اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر تعمیر حیات لکھنؤ (۱۰ جولائی ۱۹۸۶ء) میں محترم مولانا علی میاں صاحب کا شائع شدہ ایک اہم انٹرویو، سہ روزہ دعوت دہلی (۴ جولائی ۱۹۸۶ء) میں موصوف کا وضاحتی بیان اور روزنامہ الجمعیۃ کے بعض شمارے ہیں۔ مدیر تعمیر حیات کے ایک سوال کے جواب میں مولانا محترم نے فرمایا کہ:

"...... آپ کو معلوم ہے کہ میں کسی موضوع پر اسی وقت قلم اٹھاتا ہوں جب اس کی ضرورت و افادیت کا مجھے پورے طور پر احساس ہو اور وہ مجھ پر طاری ہو جائے بغیر اس کے کام مجھ سے نہیں ہوتے"

(تعمیر حیات ۱۰ جولائی ۱۹۸۶ء صفحہ ۸)

آں محترم جیسی بزرگ اور محتاط شخصیت سے میں بجا طور پر یہ حسن ظن رکھنے کا حق رکھتا ہوں کہ کسی استفتا یا انٹرویو میں تحریر اور سوال و جواب کے دوران قلم کی طرح زبان کے استعمال میں بھی وہ "فرماتے اور منہ بیگی" باتیں ہرگز نہ کہتے ہوں گے۔ مگر رانچی کی مذکورہ رپورٹ (دعوت ۲۴ جون ۱۹۸۶ء) کے سلسلے میں وضاحتی بیان اور انٹرویو میں انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی بنیاد انہی کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے۔

"جماعت اسلامی کے مرکزی ترجمان دعوت دہلی کے ۲۴ جون کے شمارہ میں میری اس گفتگو کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جو ۶ جون ۱۹۸۶ء کو رانچی کے دفتر جماعت اسلامی میں کی گئی تھی اس کے اجزاء کے متعلق آنے والے متعدد خطوط سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا میں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے بارے میں میرا مسلک جس کو تفصیل سے میں نے اپنی کتاب عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح میں وضاحت کی ہے۔"

(سہ روزہ دعوت ۴ جولائی ۱۹۸۶ء)

مذکورہ انٹرویو تعمیر حیات (۱۰ جولائی) میں مولانا نے مختصراً "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" کا خلاصہ بیان کر کے رانچی والی رپورٹ سے بری ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اس کا انہیں حق بھی پہنچتا ہے مگر اس خاکسار کا سوال صرف اتنا ہے کہ کیا اس وضاحتی بیان سے پہلے آپ نے وہ مطبوعہ رپورٹ دعوت میں ملاحظہ فرمالی تھی؟ اگر ملاحظہ فرمالی تھی تو ان اجزاء کی نشاندہی ہو جانی چاہیے تھی جن میں دانستہ یا نادانستہ ردوبدل ہوا ہے۔ سیاق و سباق سے پورے طور پر نقل نہ ہونے یا نامناسب کلام میں کمی یا زیادتی کا اندیشہ تھا ظاہر

ہے کہ ان تمام بیانات میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مولانا نے محض متعدد خطوط کی بنیاد پر بعض حلقوں میں پھیلی ہوئی غلط فہمی کے ازالہ کیلئے مضمون نما بیان دینا ضروری خیال فرمایا۔ ایک جگہ آپ یہ فرماتے ہیں کہ "غیر مانتش کام مجھ سے نہیں ہوتے" اور دوسری جگہ آنے والے خطوط سے "اندازہ لگانا" کافی سمجھتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک زمانے میں حد سے بڑھی ہوئی سیاسی اور تعلیمی مصروفیات کی بنا پر جس طرح جناب مولانا حسین احمد مدنی صاحب نے محض لوگوں کے بھیجے ہوئے کچھ تراشوں کو دیکھ کر مولانا مودودیؒ کو ضال مضل، "ملحد بے دین" اور خبیث کہنا ضروری سمجھا۔ تقریباً اسی طرح مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ جیسی محقق و کثیر التصانیف شخصیت نے بھی انہی غالب درجہ مصروفیات کی بنا پر کچھ لوگوں کے خطوط کی بنیاد پر جماعت کے خلاف مسلسل بیانات کی اشاعت کو ضروری اور مفید تصور فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ راقم الحروف کا یہ اعتراض ہرگز نہیں کہ محترم مولانا علی میاں صاحب نے مولانا مودودیؒ کی ایک کتاب یا کسی خیال کی مخالفت کیوں کی۔ میں ان پر معترض ہونے والا کیوں جبکہ اس حق اختلاف کو اپنی زندگی میں خود مولانا مودودیؒ ہی نے تسلیم کیا تھا اور اپنے مکتوب میں مولانا مدظلہٗ کو واضح لفظوں میں لکھ دیا تھا کہ "میں اپنے کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتا"

میرا اصل سوال اور تشویش اس امر پر ہے کہ جس طرح سیاسی دنیا کے صاحبان کرسی و اقتدار مصروفیات اور غلط کار مصاحبوں کے جنگل میں پھنس کر بلا تحقیق فیصلے صادر کرتے رہتے ہیں کیا اب صاحبان علم و تقویٰ بھی اسی نہج پر چل پڑے ہیں؟ مولانا مدنی صاحب کی طرح فتاوی دیوبند کی حقیقت سے بھی اہل علم واقف ہیں کہ ان کے ناوک نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ جیسی شخصیتوں کو بھی نہیں بخشا۔ محترم مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ جیسی متوازن اور عالم و محقق شخصیت سے مجھے یہ امید نہیں کہ وہ بھی بعض بزرگوں کی اس روایت پر آسانی سے چل سکیں گے مگر دعوائے احتیاط کے باوجود ان کی خرابیٔ صحت، بڑھتی ہوئی مصروفیات اور مصاحب نما افراد کے خطوط وغیرہ نے بالآخر انہیں بھی غیر شعوری طور پر اسی مقام پر پہنچا دیا ہے جس کی تائید کیلئے مولانا کے انٹرویو میں خود ان کا بیان کافی ہے۔ آں محترم "افکار مولانا مودودیؒ" پر بابت دنوں سے لکھنا چاہتے تھے:

> "لیکن اس پر قلم اٹھانے سے پہلے مولانا کی دوسری کتابوں اور رسائل و مضامین کا ازسرِ نو مطالعہ کر لینا چاہتا تھا لیکن ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۵ء تک جبکہ میری آنکھ کا آپریشن نہیں ہوا، میں براہ راست لکھنے پڑھنے سے تقریباً معذور تھا۔ دوسروں سے پڑھوا کر سننے میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے اور پھر بھی کمی رہ جاتی ہے جب مجھ میں مطالعہ اور نوٹ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو میں نے جہاں تک ممکن ہوا مولانا کا لٹریچر جمع کرکے اس کا مطالعہ شروع کیا:"

واضح ہو کہ مولانا علی میاں صاحب ۱۹۷۸ء میں لکھنے پڑھنے کے لائق ہو سکے اور موصوف کی کتاب "عصر جدید میں دین کی تفہیم و تشریح" بھی ۱۹۷۸ء ہی میں دار عرفات گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ دار العلوم ندوہ، رائے بریلی اور بیرونی ممالک کے سفر کی مصروفیات ظاہر ہے کہ موصوف کو چند ہی مہینوں میں مولانا مودودیؒ کی دوسری کتابوں، رسائل اور مضامین کے "ازسرِ نو مطالعہ" کا موقع کس طرح دیا ہوگا۔ اسی وجہ سے مولانا مدظلہٗ

ﻟﮧ ملاحظہ ہو مکتوب جناب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بسلسلہ کتب مودودی فاران، مارچ ۱۹۷۹ء کراچی

نہایت محتاط الفاظ (جہاں تک ممکن ہوا) استعمال فرمایا ہے۔ علمی دنیا بھی یہی جانتی ہے کہ محض ایک کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کو بنیاد بنا کر مولانا موصوف نے تجدید و احیائے دین، تفہیمات، خطبات، رسائل و مسائل اور تفہیم القرآن کے بعض اجزاء اور اصلاحی عبادات پر ایک تحقیقی نظر کے حوالے سے مولانا مودودی صاحب کی کسی اور کتاب کا حوالہ نہ کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے دینی فہم و ادراک اور ان کے تصور "الٰہ" "رب" "دین" اور "عبادت" کے تنقیدی جائزہ کیلئے ان کی مندرجہ ذیل تصانیف کا مطالعہ بھی ضروری تھا۔ "رسالہ دینیات، اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی، الجہاد فی الاسلام، خلافت و ملوکیت، تزکیۂ نفس اور اہم بنیادیات وغیرہ"

اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا مدظلہ کی متعدد نہایت مستند، محقق اور گرانقدر تصانیف کی فہرست میں "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" ایک نہایت ہی سطحی اور غیر مؤثر کتاب بن کر رہ گئی ہے۔ ۱۱۲ صفحات کی اس کتاب کی سطحیت کا اندازہ لگانے کیلئے ڈاکٹر سید انور علی صاحب کے ۴۴ صفحات کا کتابچہ [illegible] کیلئے لمحۂ فکریہ" کا مطالعہ کافی ہوگا جس میں موصوف نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن کے دیباچہ اول کے تفرقہ نہ پڑو اور قرآن کے مطالعہ اور تدبر کا تمام معیار کے اقتباسات اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کے بنیادی افکار کی ہم آہنگی کو دو اور دو چار کی طرح واضح کر دیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ اس امر خاص میں مولانا علی میاں مدظلہ جیسی شخصیت، مولانا منظور نعمانی صاحب اور مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کی کس سطح سے اوپر نہ اٹھ سکی، مزید یہ کہ ان ہر سہ حضرات کے دلائل میں جو تضادات ہیں ان کی نشاندہی بھی ہو گئی ہے۔ ویسے اس تصنیف کے بھرپور تجزیاتی

اور تنقیدی جائزہ کیلئے مولانا سید احمد عروج قادری صاحب کی تصنیف "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح پر ایک نظر" کا کہنا ہی کیا ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

اس کتاب کی علمی اور تحقیقی کم مائگی سے قطع نظر مجھے اس بات کے اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ مولانا محترم نے اس کتاب کو پورے خلوص و للہیت اور ضبط و توازن کے ساتھ لکھا ہے جس کا اعتراف مجھ جیسے ہیچمداں ہی کو نہیں خود مولانا عروج قادری صاحب کے علاوہ مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی[15] کو بھی ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ مولانا محترم کی نیت الدین نصیحۃ کا ثواب بھی مل رہے گا۔

مولانائے مکرم نے اس انٹرویو میں اپنے اس خلوص کے عمومی ردعمل پر ایک جگہ اظہار تعجب بھی کیا ہے۔

"لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس کتاب پر جماعت کا عمومی ردعمل میری توقع اور جماعت کی دستور کی ہدایات اور اسکی روح سے بہت مختلف تھا اور اس کو محض ایک مخالفانہ اور حریفانہ کوشش پر محمول کیا گیا۔ اور اس سے پہلے سے مصلحین وقتاً فوقتاً کی ان کوششوں کی ناکامی کی وجہ معلوم ہوئی جو عصبیت اور شخصیت پرستی کے خلاف وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں اور اندازہ ہوا کہ غلو و مبالغہ اور افراط و تفریط میں فطرت انسانی کیلئے کتنی کشش اور جاذبیت ہے۔"

(تعمیر حیات ۱۰ر جولائی [illegible])

خصوصی رد عمل کی ایک جھلک تو میں نے اوپر پیش کر دی ہے کہ بعض اکابر جماعت مولانا مودودی کی سمجھ نے خصوصاً خاکسار کو ایسا

۱۵۔ مدظلہ پر مولانا اصلاحی صاحب کا مقالہ "مولانا علی میاں کی دو قابل توجہ وضاحتیں" ماہنامہ زندگی رامپور، فروری [illegible] صفحہ ۲۵

اس کتاب کا کس طرح استقبال کیا۔ اور کافی بلند علمی سطح سے اس کا موزوں جواب بھی دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ عمومی ردِ عمل میں آخر کن لوگوں نے کس کس طرح خدانخواستہ گستاخانہ کلام کیا ہے اس کی بھی نقل آجاتی تو ذمہ داران جماعت اسلامی کو اپنے افراد کی تربیت اور اُن کے احتساب میں یقیناً انہیں سہولت ہوتی۔

ہم چونکہ خواص کے علاوہ عوام کے درمیان بھی کام کرتے ہیں اس لئے مولانا محترم اگر ہمیں اجازت دیں تو ایک عمومی ردِ عمل سے ہم اپنی واقفیت کا اظہار کریں۔ جماعت اسلامی کے حلقہ میں الحمد للہ ایسے افراد کی ہیں نے کثرت محسوس کی ہے جو مولانا کی بلند پایہ تصانیف، تبلیغی دردمندانہ صفات اور داعیانہ کردار کے نہ صرف معترف بلکہ ان سے متاثر بھی ہیں۔ اور ان سے اخذ و استفادہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ اس امر پر اللہ کے شکر گزار ہیں کہ مولانا علی میاں جیسے علماء حق بھی ہیں جو پورے خلوص کے ساتھ بہت سے امور میں اتفاق کرتے ہیں، تو بعض معاملات میں اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ جماعت یا اکابر جماعت کی کسی تحریر یا تقریر میں وہ اپنی دینی بصیرت کے لحاظ سے جہاں بھی کوئی قابل اعتراض بات دیکھتے ہیں اس کی فوراً تردید یا تنقید بھی کرتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں اس کے لئے جزائے خیر کا مستحق قرار دیگا۔ متاثرین جماعت اسلامی اسی طرح اس کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ جہاں ملت کسی جماعت یا کسی معروف فرد یا مدین کی آڑ میں ظلم و زیادتی ہو رہی ہو تو احقاق حق کی خاطر وہ ابطال باطل میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں گے، بالخصوص ان کے حلقۂ احباب یا حلقۂ اثر کی طرف سے اگر کوئی غلط مہم چلائی جا رہی ہو تو وہ اس کی ہمت شکنی کریں گے مگر ایسے موقعوں پر ان کی خاموشی سے دو طرفہ نقصانات ہوتے ہیں اول یہ کہ غلط کاروں کو شہ ملتی رہتی ہے کہ ہماری مہم جوئی غلط ہوتی تو محترم مولانا علی میاں ضرور ٹوکتے۔ دوم یہ کہ تحریک اسلامی کے کارکنوں اور ہمدردوں میں یہ غلط خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پر مولانا کے جذبۂ "الدین نصیحۃ" کو کیا ہوا اور سوم یہ کہ دشمنان ملت اور تحریک اسلامی کو اپنی تقریر و تحریر میں بغلیں بجانے کا موقع مل جاتا ہے۔

اس اجمال کی تھوڑی سی وضاحت یوں ہے کہ جب جماعت اسلامی کی فکری لغزشوں پر مولانا محترم نے جس طرح گرفت کیا ہے، کیا تبلیغی جماعت اور ان کے بعض اکابر کی کوئی تحریر یا ان کا کوئی طرز عمل ایسا نہیں جس کی نشاندہی مولانا کے خیال میں ضروری ہو؟ مثلاً بعض لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت نے ہندوستان گیر پیمانے پر قرآن و سنت کی جگہ فاضل طرز تبلیغی نصاب کو جو مقام دے دیا ہے وہ کہاں تک تقاضائے دین کے مطابق ہے؟ کیا نہیں بلکہ تبلیغی نصاب میں جن روایات، قصص و کرامات اور بعض ضعیف حدیثوں سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں کیا وہ سب منشائے اسلام کے مطابق ہیں؟ مزید یہ کہ کیا جن چھ باتوں پر پوری تحریک چلائی جا رہی ہے ان سے اکملیت دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا؟ وغیرہ

ایک خاص بات اور ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طرح مولانا محترم کے تعلقات شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ سے بھی نہایت قدیم اور خوش گوار سمجھے جاتے ہیں۔ لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا آں محترم کو حضرت شیخ الحدیث کی مشہور کتاب "فتنۂ مودودیت" (یا جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ) کی فقرہ بازی کا کچھ اندازہ ہے کہ نہیں جس میں حضرت شیخ الحدیث جیسے عالم و متقی نے بھی جس طرح کذب و افتراء سے پرہیز نہ کیا۔ یہ چونکہ بہت بڑا الزام ہے اس لئے اس کے چند ثبوت بطور آیات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں بلکہ محض کذب و افتراء ہیں۔

۱۔ معصیت میں بھی ایک حد تک اطاعت امیر کی جائے (فتنۂ مودودیت صفحہ ۱۸)

۲۔ حضرت عثمانؓ میں خلافت کی اہلیت نہ تھی (ایضاً ص ۲۱)

۳۔ مجھے نہیں معلوم ابو حنیفہ کوئی نیک آدمی تھا یا فاسق و فاجر

اس کے متعلق جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہی کون سی قطعی
ہیں .... (ایضاً صـــــ)
ان سب پر مستزاد یہ کہ حضرت شیخ کے خیال میں "عصمت انبیاء
خیال بلا دلیل کے سوا اور کچھ نہیں"[1] صـ ۳۶
ان شواہد کی موجودگی میں کیا کوئی جناب شیخ کی فتنۂ مودودیت
کو حسام الحرمین قسم کی تصنیف قرار نہ دیگا؟ لطف یہ ہے کہ اس
فتنہ کو ہمارے بہت سے تبلیغی احباب ہندوستان گیر
ہی نہیں بلکہ عالم گیر پیمانے پر پھیلا رہے ہیں۔ ان حقائق کے
باوجود مولانا علی میاں محترم کو اس کتاب کی فتنہ پروری اور
گمراہی پر نکیر کی آج تک ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ بالآخر تماشہ یہ
ہوا کہ ڈاکٹر سید انور علی صاحب نے آج سے [illegible] قبل جب
ایک پر سوز خط سے مولانائے محترم کی توجہ اس طرف مبذول
کرائی تو نہ صرف یہ کہ وہ ٹال گئے بلکہ دل ہی دل میں جیسا پاسداری شیخ بھی
کی۔ بات چونکہ خصوصی ردعمل کی چل رہی ہے اس لئے عرض [illegible]
کا یہ حکایت بھی عرض کر دوں (محرر راقم الحروف کو اس سے اتفاق
نہیں) کہ ایسے لوگوں کے خیال میں حضرت شیخ کا فتنہ جب [illegible]
ہو گیا تو ان کے جرم کو ہلکا کرنے کے لئے مولانا محترم نے خود انجواستہ
"قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" پر اپنے تبصرہ کرنے کے ایک
[illegible] جاسوس بنا دیا۔ اس [illegible] ردعمل میں
اضافہ اس لئے بھی ہوتا جا رہا ہے کہ برسوں گزر گئے مگر فتنۂ
مودودیت پر مولانا موصوف کا ابتک کوئی تبصرہ منظر [illegible]
آیا بلکہ الٹا یہ ہو رہا ہے کہ الفرقان کی طرف [illegible]
مضامین و تصانیف کا سلسلہ شروع ہے [illegible] مولانا نہ
صرف خاموش ہیں بلکہ اس [illegible] کتاب پر مولانا موصوف
کی تحریر بھی ہے۔ گویا ایک فریق کی طرف سے [illegible] چشم پوشی
ہی نہیں بلکہ فتنوں کی تائید ہو رہی ہے مگر دوسرے فریق
کی طرف سے مولانا اس قدر حساس واقع ہوئے ہیں کہ جس

اتفاق سے اگر کسی مقامی دفتر میں ان کی کسی تقریر کی ذمہ دارانہ رپورٹ
بھی آگئی تو اس رپورٹ کو دیکھے بغیر محض اس کے متعلق آنے والے
چند خطوط "ہی پر "وضاحتی بیان" کی اشاعت ضروری بھی
گئی جبکہ حضرت مولانا کا ایک بیان یہ ہے کہ "فرمائشی کام مجھ
سے نہیں ہوتے" اور یہ کہ "حتی الامکان ولا یجرمنکم شنان
قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی پر عمل
کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس لئے [illegible] کو راضی
نہیں رکھ سکتا جو ہر چیز میں غلو و مبالغہ پسند کرتے ہیں"۔ ان
سب کے نتیجے میں بعض دیدہ دلیر اور عمت دشمن افراد اور صحافیوں
نے مولانا کے تردیدی بیان پر اس طرح کی سرخیاں بھی لگائی
شروع کر دی ہے: "جماعت اسلامی کے متعلق مولانا علی میاں
کے بیان پر مبارکباد" (ایک اہم انٹرویو۔ تعمیر حیات صفحہ ۱۰ جولائی [illegible])
میں نے خصوصی رد عمل کے موقعوں پر ایسے بدگمانوں سے
بحث بھی کی ہے کہ ممکن ہے مولانا محترم نے "فتنۂ مودودیت"
کے مقابلے میں "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" پر پہلے تبصرہ
کرنا ضروری خیال فرمایا ہو۔ بلکہ یہ کہ دنیا بجائے فتنوں پر تبصرہ
مولانا [illegible] ہم ہی کتنا تبصرہ کرتے رہیں گے۔ اس پر مجھے لاجواب کرنے
کے لئے یہ بدگمان حضرات سوالات کی بوچھاڑ کرتے ہیں کہ ایمان
داری سے بتائیے کہ عصر حاضر میں شخصیت پرستی غلو و مبالغہ اور
افراط و تفریط کا فتنہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور جماعت کی
[illegible] سے پیدا ہو رہا ہے یا ان کے مخالفوں کی تحریر اور
فکر و عمل سے؟ وہ پوچھتے ہیں کہ بتاؤ جماعت اسلامی کے
اکابر و افراد [illegible] اور کس کو ضال و مضل، خبیث، گمراہ

[1] تفـ[illegible]ت کے لئے ملاحظہ ہو۔ رد فتنۂ مودودیت۔ مولفہ
[illegible] انور علی۔ ادارہ شہادت حق [illegible] جامع مسجد دہلی ۶۔

[2] ملاحظہ ہو مولانا محترم کے خط کا اقتباس اور حضرت شیخ کی کتاب
کا مکمل متن۔ رد فتنۂ مودودیت ۱۹۸۱ء صـ ۳۴

کا فراد دوزخی قرار دیا ہے ؟ اور کب اس لیکچر کو لے کر ان کے معتقدین نے آنکھ بند کر کے پیٹا ہے ؟ محض فکری اختلاف کی بنیاد پر مولانا ذکریا صاحب کو اور ایک مدلل تصنیف پر ڈاکٹر سید انوار علی صاحب جیسے تعلیم گاہوں کی ملازمت سے کس نے برخاست کیا ؟ وہ کون ہے جو مساجد پر سازشی انداز میں قابض ہو کر افراد جماعت کو درس قرآن و حدیث سے منع کرتے رہے ہیں یا انھیں مسجدوں میں زخمی کر چکے ہیں ؟ آخر کس فکر و خیال کے افراد نے ایک دور از کار بہانہ بنا کر افراد جماعت کو کشمیر سے بنگال تک اکھاڑ پھینکنے کی ناپاک سازش کی ؟ انھیں اور ان کے مویشیوں کو قتل کیا، باغوں کو کاٹا، دفاتر میں آگ لگادی اور کروڑوں روپے کے جانی و مالی نقصانات پہنچائے۔ کیا وہ سب کے سب سیاسی ہی لوگ تھے یا ان میں دین کا لبادہ اوڑھے ہوئے بھی بے شمار لوگ تھے ؟

یہ اور اس طرح کے کئی دوسرے جذباتی اور سنجیدہ سوالات اس طرح رکھے جاتے ہیں کہ مجھ سے جواب بن نہیں پڑتا ہے۔

ان سوالات کے جواب میں ہمیں امید ہے کہ مولانا محترم ہماری مشکل کشائی فرمائیں گے اور اس تحریر میں اگر کہیں کچھ سخن گسترانہ کلمات آ گئے ہوں تو انھیں معاف فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے بقول عربی شاعر ؎

وفی العتاب حیاۃ بین اقوام

(دوستانہ شکایت اور گلہ جماعتوں اور قوموں کی زندگی کا راز ہے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بقیہ صفحہ

اہل الرائے حضرات اور خاص طور فعال و متحرک مسلم نوجوان اس تجویز پر غور فرمائیں۔ اور وقت کے تقاضوں کو تکمیل پذیر کرنے کے لئے عملی اقدام کریں۔

بقیہ صفحہ

کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ان کی طرف سے خاطر خواہ دلچسپی کا مظاہرہ نہیں ہو سکا، دو سال کے عرصے میں کل آمدنی ۴۸/۷۷۷۴ روپے ہے جب کہ اخراجات ۷۳۳۳۲۹ روپے ہوتے ہیں اس طرح سے انجمن کو ۸۱/۵۵۵۵ روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑا ہے۔

محترم حضرات! یہ ہے انجمن کی دو سالہ کارگزاری کی مختصر رپورٹ۔ مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ میں رپورٹ کو کچھ اچھے انداز میں مرتب نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف فرمائے اور آئندہ کے لئے نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ سرگرم عمل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

تین قلعے

مومن کو شیطان سے محفوظ رکھنے کے لئے تین قلعے ہیں
جہاں اس کا شر اثر انداز نہیں ہوتا —

ایک قلعہ مسجد ہے
ایک قلعہ شب و روز خدا کا ذکر ہے
ایک قلعہ تلاوت قرآن ہے
مومن جب بھی کسی قلعہ سے
باہر ہوا تو شیطان اس پر
حملہ کر دے گا

کعب احبار

از: منصف مبارکپوری

آفتابِ اسلام

وقت بے تاب ہے ہر وقت اجالے کیلئے
چرخِ حالات کو اک کام کا سورج دیدو

مہر الحاد سے ہر آن فزوں ہے ظلمت
ظلمتِ وقت کو اسلام کا سورج دیدو

ظلم کی رات میں انصاف کا چہرہ گم ہے!
درد کی رات کو آرام کا سورج دیدو

منور مغرب سے بڑھی جاتی ہے دل کی ظلمت
دل کی تنویر کو اسلام کا سورج دیدو

دینِ عرفاں سے ملیگا تمہیں منزل کا سراغ!
دنیا بھر کو اسی پیغام کا سورج دیدو

جس سے ملتا ہے خود آگاہی و عرفاں کا شرر
بجھتے زندوں کو اسی جام کا سورج دیدو

جہل کی تیرگی ہے محبسِ اہلِ باطل!
ان کو تم علم خوش انجام کا سورج دیدو

دل کی دنیا کو جو کرتا ہے منور منصف
ساری دنیا کو وہی کام کا سورج دیدو